جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جون ۱۹۹۵ء

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

ماهنامه

انوار مدینه

جلد : ۳ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ـ جون ۱۹۹۵ء شمارہ : ۹

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . .	"	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	"	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	"	۱۶ ڈالر
برطانیہ	"	۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۹۰۵۲

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ———————— ۳

درسِ حدیث ———— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ———— ۵

سیرۃِ مُبارکہ ———— حضرت اقدس مولانا سیّد محمد میاںؒ ——— ۹

عہد صحابہؓ کرام کے چند واقعات —— حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ — ۱۶

طب اور اسلام ———— حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری ——— ۲۰

جواں مرگ (نظم) ———— جناب سیّد امین گیلانی ——— ۳۲

ٹیپو مرحوم کی یاد ———— سلیمہ بنت حامد بن محمد ——— ۳۳

وفیات الاعیان ———————— ۳۵

رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" —— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ——— ۳۸

استفتاء ۴۹

اپیل ———————— ۵۱

حاصل مطالعہ ———— مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۵۳

تقریظ و تنقید ———————— ۵۹

اخبار الجامعہ ———— محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ ——— ۶۲

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سید محمود میاں

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اما بعد! گزشتہ دو تین سالوں سے ملک میں غیر مُسلم اقلیّتوں کی جانب سے شانِ رسالت میں گستاخی کے قانون میں ترمیم کا مطالبہ ہو رہا ہے نہ صرف مطالبہ بلکہ غیر مُسلم عیسائی سلطنتوں کی پشت پناہی اور حکومت پر اُن کے دباؤ نے اقلیتوں میں مزید دیدہ دلیری پیدا کر دی ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت پہلے ہی مرحلہ میں اس ناروا مطالبہ کو یکسر مُسترد کر دیتی اور غیر مُسلم اقلیّتوں پر واضح کر دیتی کہ اس قسم کے مطالبات اور ترامیم خود اقلیتوں کے حق میں مضر ہیں۔ کیونکہ اس سے ایک تو اُن کی بدنیتی واضح ہوتی ہے۔ دوسرے اس ترمیم کے نتیجہ میں غیرت مند مُسلمان عوام میں اشتعال پیدا ہوگا اور یُوں خود بخود قانُون عوام اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور ظاہر ہے کہ اس کے نتائج اقلیّت واکثریّت سَب کے حق میں اچھّے نہ ہوں گے۔ ملک میں مزید بدامنی پیدا ہوگی اور پہلے سے انتشار کا شکار ملک مزید شورش سے دوچار ہو جائے گا، مگر گزشتہ اور موجودہ حکومتوں نے اس پر انتہائی غیر ذمّہ دارانہ بلکہ بُزدلانہ رویہ اختیار کرتے ہُوئے چند مہینوں پہلے گستاخِ رسالت سلامت مسیح اور رحمت مسیح کی سزائے موت کو غیر ملکی عیسائی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر نہایت شاطرانہ انداز سے ختم کرایا اور سرکاری طور پر اُن کے ملک سے فرار کا انتظام کیا جس کے نتیجہ میں یہ گستاخ بحفاظت جرمنی پہنچنے میں کامیاب ہُوتے حکومت کی اس درجہ بے وقاری اور قانُون رسالت میں ترمیم پر اصرار کے نتیجہ میں گزشتہ دنوں

مذہبی جماعتوں پر مشتمل "ملی یک جہتی کونسل" تشکیل پائی جس کے مطالبہ پر گزشتہ ماہ ۲۷ مئی بروز ہفتہ سارے ملک میں انتہائی پُر امن پہیہ جام ہڑتال ہوئی۔ ہڑتال کی غیر معمولی کامیابی نے ہڑتال مخالف حکومتی ایوانوں کو ہلا کے رکھ دیا۔ دوسری طرف سیکولر ذہنیت کا حامل بے دین طبقہ بھی سر دھنتا رہ گیا۔ مسلمانوں کے دِلوں میں مرکوز شانِ رسالت کی عظمت و عقیدت اور مذہبی جماعتوں کی قوت کے بھرپور مظاہرہ نے ایک بار پھر ملک میں سرگرم مذہب دُشمن طاقتوں کو اپنی سابقہ منصوبہ بندیوں اور مُسلمانوں کو فکری الحاد کی طرف راغب کرنے والی تدبیروں پر پانی پھرتا دیکھ کر مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ اس سے کہیں بڑھ کر رسوائیوں کا مُنہ دیکھنا پڑے گا۔

دوسری طرف کونسل کے ذمہ دار مذہبی قائدین کو چاہیے کہ اس موقعہ پر حاصل ہونے والی یک جہتی و اتفاق کو ہر قیمت پر قائم رکھیں۔ گزشتہ کی طرح بے اتفاقی کو اپنی صفوں میں نہ آنے دیں۔ ہڑتال کی کامیابی پر غیر ضروری خوش فہمی میں بھی مُبتلا نہ ہوں، بلکہ ہر لیڈر دوسرے کے بجائے اپنے اُوپر تنقیدی نظر رکھے اور اپنے اندر موجود خامیوں کو دُور کرنے کی مسلسل جدوجہد جاری رکھے تاکہ موجودہ اتحاد و اتفاق دن بدن مضبوط و مستحکم ہو اور عوام ایک بار پھر علماء سے بدظنی کا شکار نہ ہوں، کیونکہ طبقہ علماء سے عام آدمی کی بدظنی قوم، ملک، مذہب کے لیے تباہ کُن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنے دین کی خدمت لے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

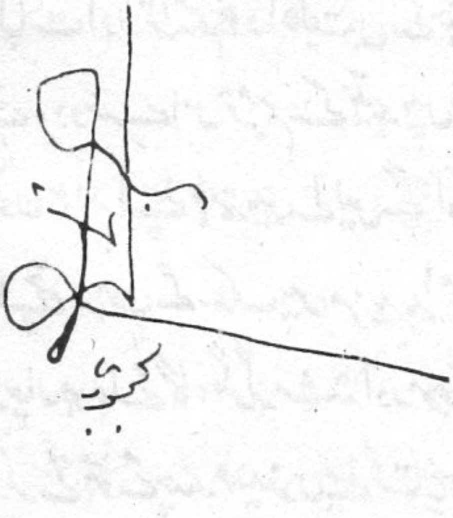

مولای صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کِس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۲ - ۸۵-۱-۲۹

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وّ آلہٖ واصحابہ اجمعین

اما بعد! عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْکُمْ بِاللّٰہِ فَاَعِیْذُوْہُ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰہِ فَاَعْطُوْہُ وَمَنْ دَعَاکُمْ فَاَجِیْبُوْہُ وَمَنْ صَنَعَ اِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْہُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُکَافِئُوْہُ فَادْعُوْا لَہٗ حَتّٰی تَرَوْا اَنْ قَدْ کَافَأْتُمُوْہُ۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے اللہ واسطے پناہ مانگے اسے پناہ دو، جو تم سے خدا کے نام پر کچھ مانگے اس کا سوال پُورا کرو، جو شخص تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جو تمہارے ساتھ احسان کرے تم اسکا

---

[1] مشکوٰة ص۱۷۱

بدلہ دو، اور اگر تم مال وزر نہ پاؤ کہ اُس کا بدلہ چکا سکو تو پھر اپنے محسن کے لیے دُعا کرو اس حد تک کہ تم یہ جان لو کہ تم نے اس کا بدلہ چُکا دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ جو آدمی تم سے پناہ طلب کرے خُدا کا نام لے کر تو اسے پناہ دو۔ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ اور اگر کوئی خُدا کا نام لے کر تم سے سوال کرتا ہے تو اسے دو وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ جو تمہیں بُلائے اس کے پاس جاؤ وَمَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ اور جو تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کرے تو اس کا بدلہ دو فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ اگر تمہیں میّسر نہیں ہے کہ اس کا بدلہ چُکا سکو، اُس نے تو تمہارے ساتھ یہ بھلائی کی ہے وہ تو بھلائی کرنے پر قادر تھا چاہے روپیہ سے مدد کی ہو چاہے اپنے تعلقات یا اثرات کے ذریعہ سے مدد کی ہو۔ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا تمہارے ساتھ اس نے بھلائی کردی ہے۔ تمہارے ذمّے یہ ہے کہ بدلہ دو اس کا، اور ہے نہیں قدرت اپنی، نہ استطاعت ہے نہ اثرات ہیں کہ اس کے احسان کا بدلہ دیا جا سکے تو ارشاد فرمایا فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ اگر نہ ملے تمہیں مکافات کے لیے، استطاعت نہ ہو۔ تو پھر طریقہ یہ ہے کہ اس کے واسطے دُعا کرتے رہو، حَتّٰى تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ اتنی دفعہ دُعا کرو کہ یہ اندازہ ہو تمہیں کہ تم نے اس کا بدلہ دے دیا، یہ سب چیزیں حسن اخلاق کے اندر داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم فرمائی ہے اور یہ خُصوصیت اسلام کی ہے باقی اور مذاہب میں مفصل تعلیمات نہیں ملتیں، (اس حدیث مُبارک میں) کچھ احکام بھی آگئے۔ مثلاً کوئی آدمی خدا کا نام لے کر کہتا ہے کہ خدا کے واسطے مجھے پناہ دو، بچاؤ۔ تو اس کی مدد کرنی چاہیے، اسی طرح سے کوئی سوال کرتا ہے تو اُسے ضرور دینا چاہیے اور دینے کے لیے یہ ہے کہ جو کچھ دے سکتے ہو وہ دو۔

پیشے کے طور پر مانگنے والوں کا مسئلہ

آج کل یہ بات ہوگئی ہے کہ یہ جو پیشہ ور ہیں مانگنے والے اور خدا کا نام لیتے ہیں اور اضطراب ظاہر کرتے ہیں یہ تو ایسے ہوگئے جیسے ایکٹنگ کرتے ہیں ظاہر کرتے ہیں کہ ہم یُوں ہیں یُوں ہیں، مر گئے جب یہ نوٹ کینسل ہوئے تھے یحیٰی خان کے زمانے میں تو ان لوگوں کے پاس سے لاکھوں روپے جمع نکلے تھے اُن کے بینک بیلنس ہیں اور انہوں نے جا جا کر نوٹ بدلوائے ہیں۔ پھر پتہ چلا ہے کہ یہ تو رئیس ہے اور بنا پھرتا ہے فقیر۔ چائے کا وقت آیا

کسی ہوٹل پہ پہنچ گئے، اس نے چائے دے دی، کھانے کے وقت کسی جگہ پہنچ گئے کھانا کھالیا۔ باقی جو مانگتے رہے وہ جمع ہوتا رہا اور صبح سے شام تک بیس پچیس تیس پچاس جتنے بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں مسجد میں موقع ہو وہاں مزار پہ موقع ہو وہاں جہاں بھی موقع لگے وہاں وہ مانگتے ہیں عید اور بقرعید وغیرہ پر بھی کوئی جگہ ہو میلہ ٹھیلہ ہر جگہ پر تو یہ تو پیشہ ور ہوئے اُن کے لیے کیا حکم ہے؟ یہ تو خدا ہی کے نام پر مانگتے ہیں بار ہا ریلیتے ہیں اور کہیں شیعہ ہوں گے تو وہاں حسین رض کے نام پر مانگیں گے۔ حسن رض کے نام پر مانگیں گے کہیں کچھ اور کریں گے باقی عام طور پر تو خدا کے نام پر اور اضطرار ظاہر کرکے بے چینی ظاہر کرکے پریشانی ظاہر کرکے مانگتے ہیں، خدا کا نام بھی مؤثر طرح لیتے ہیں تو اُن کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اُن کو آدمی ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یہ نہیں کرسکتے، وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ جو مانگنے والا ہے اسے جھڑکو مت، یہ منع ہے۔ جھڑک نہیں سکتے سمجھا سکتے ہیں اور اسی حدیث سے یہ سبق بھی مل رہا ہے کہ اس کے لیے دُعا بھی کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تیری اصلاح کرے۔ ہدایت دے۔ چاہے اس سے کہے زبان سے اور چاہے دِل میں اس کے لیے دُعا کرے یہ بھی نیکی ہو جاتی ہے گی۔ کیونکہ کام تو سارے غیب سے ہوتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا آدمی خواب دیکھ لیتا ہے کہ یُوں ہو رہا ہے کہ میں ایسے ہُوا ہوں۔ ایسے ہُوا ہے دس سال بیس سال چالیس سال بعد جا کے وہ خواب پُورا ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ غیب میں بہت کچھ موجود ہے۔ سب کچھ وہاں ہوتا ہے پھر جو لوگ یہاں اِس عالم میں مدد نہیں کر سکتے مادّی تو غیر مادّی دُنیا میں تو مدد کرسکتے ہیں غیر مادّی عالم میں تو مدد کرسکتے ہیں۔ وہ غیر مادی عالم یہی ہے کہ اللہ سے دُعا کر دی جائے اُس کی ہدایت کی اللہ اُسے ٹھیک کر دے ہدایت دے دے اگر سامنے کہوگے تو وہ چڑے گا لڑے گا۔ تو ایک اس کے لیے یہ حکم ہُوا کہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو۔ جھڑکو مت جھڑک نہیں سکتے۔ دوسرے یہ بھی کرسکتے ہو جیسے یہاں کہ دُعا بھی ایک طرح کا بدلہ ہے احسان ہے۔ وہ کرسکتے ہو، غائبانہ دل دل میں اور اُسے سمجھا بھی سکتے ہو۔ اور بعض دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ وہ بیچارہ فقیر سچ مچ کا فقیر ہے۔ وہ سچ مچ ضرورت مند ہے وہ آپ سے سوال کرتا ہے آپ کو پتہ ہے کہ یہ ضرورتمند ہے یہ بھی پتہ ہے کہ میرے پاس نہیں ہے میں نہیں کرسکتا۔ پھر بھی یہی حکم ہے کہ اس کے لیے دُعا کرو، اور دُعا کے اثرات چلتے ہیں قیامت تک، چلتے ہیں ایسے لمبے ہوتے ہیں اثرات۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا ہی ہے جو مکّہ مکرّمہ میں گوشت اور پانی دو چیزیں ملتی ہیں۔ زم زم اور گوشت رسول اللہ صلّی

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دُنیا میں کسی بھی جگہ کوئی آدمی اگر رہے اگر رہے ان دو چیزوں پر زندگی نہیں گزار سکتا لیکن مکّہ مکرّمہ میں اگر رہے اور یہ دو چیزیں میسّر آتی رہیں تو وہ صحت سے بھی رہے گا۔ زندگی گزر جائے گی۔ اور اُنھوں نے دُعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ یہاں پھل بھیج تو پھل پہنچ جاتے ہیں اور اب وہاں پہنچنے شروع ہوگئے ہوں گے آم، ہم سے بہت پہلے سے وہاں آم اور بہت بعد تک وہاں چلتے ہیں۔ افریقہ وغیرہ سے آتے ہیں وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ کی دُعا اُنھوں نے کی تھی وہ قبول ہوگئی وہ پہنچتے ہیں کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی طرح پہنچتے ہیں۔ یہ اللہ کے بس کی بات ہے کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہاں جانے سے رزق کو روک لے اور شاید وہاں قحط کے زمانے میں بھی پہنچتے ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں قحط ہو ہی نہیں سکتا۔ ساری دُنیا میں ہو گا، وہاں نہیں ہوگا، حالانکہ وہاں پیدا کچھ نہیں ہوتا وہ زمین ایسی ہے کہ وہاں پیداوار نہیں، لیکن دُعا ہوگئی ہے تو وہاں ضرور پھل پہنچتے ہیں، تو اگر کوئی سچ مچ ایسا ہے تو اس کے لیے اور طرح دُعا کرے اور زیادہ کرے دُعا۔ اور وہ دُعا قبول ہو جائے اس کے حق میں تو پھر اس کا چلتا رہے گا سلسلہ مگر اصل میں کام وہاں ہوتے ہیں ظاہر یہاں ہوتے ہیں۔ یہاں بعد میں ظاہر ہوتے ہیں وہاں پہلے سے طے ہو جاتے ہیں اور دُعا کے اثرات زبردست ہوتے ہیں اور پھر یہ طریقہ بتلا دیا تمہارے ساتھ کسی نے حسنِ سلوک کیا اور تمہیں قدرت نہیں ہے بدلہ دینے کی، اسکا کیا کیا جائے۔ اُس کا بھی یہی ہے کہ اس کا فی الوقت شکریہ ادا کیا جائے مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ جو آدمی لوگوں کا شکر گزار نہیں ہے وہ خُدا کا بھی شُکرگزار نہیں بنتا اور دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ یہ حُسنِ سلوک کرتے رہو کہ اس کے لیے دُعا کرتے رہو۔ حتّٰی کہ اپنے ذہن میں یہ بات آجائے کہ مَیں نے اس کے احسان کے مطابق کرلی ہے دُعا، بعد میں اختیار ہے چاہے ساری عمر کرتے رہو، چاہے تھوڑے عرصے تک، اتنے عرصے کرنی ضرور چاہیے جتنی حدیث میں بتلا دی گئی ہے یہ سب اخلاقی چیزیں ہیں تعلیمات ہیں محبّت ہے، شفقت ہے غائبانہ محبّت، تو غائبانہ حقوق کی رعایت رکھ دی - اتنے بلند اخلاق اور ایسی چیزیں اسلام کے سوا کسی مذہب میں ہیں ہی نہیں اور مسلمان جیسا بے عمل اور بے خبر بھی کوئی نہیں ہوگا کہ اتنی چیزیں موجود ہیں اُسے خبر تک بھی نہیں اور خبر بھی ہو جاتے تو عمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا سے نوازے اور مرضیات پہ چلائے۔

❁

(قسط:۳۳)

دارالھجرت اور حضراتِ مہاجرین کے لئے دُعا

دُرستیٔ آب وھوا اور حفظانِ صحت کے لئے پیغمبرانہ تدبیر

یثرب کے بجائے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف "سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

(سورۃ ۱۶ النحل آیت ۴۱ ع ۶)

جن لوگوں پر (اُن کے ایمان لانے کی وجہ سے) ظلم ہوا، اور ظلم سہنے کے بعد انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم ضرور انھیں دُنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش یہ لوگ علم سے کام لیتے یہ (مہاجرین (وہ ہیں) جو ہر طرح کی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

(سورۃ ۱۶ النحل آیت ۴۱)

○

مکّہ جو حضرات مہاجرین کا وطن تھا۔ نہایت خشک اور گرم مقام تھا۔ نیچے ریت اور کنکریاں اُوپر گرم پہاڑ۔ جن میں شادابی کا نام نہیں تھا۔ اس کے برخلاف یثرب، شاداب باغوں کے بیچ میں ایک کھلی ہوئی آبادی ہر طرف کھیت، اور سبزہ، اس کی ایک وادی[۱] جس کا نام بطحان تھا گویا گندے پانی کی جھیل تھی جہاں سڑا ہوا پانی ہمیشہ بہتا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے پورے یثرب کی آب وہوا

---

[۱] اس طرح کے میدان جن میں سیلاب آتا تھا۔ علاقہ یثرب میں تین تھے۔ العقیق[۱]، بطحان[۲]، قناۃ[۳]۔ (معجم البلدان)

مرطوب رہتی تھی[1]۔ مکہ جیسے گرم اور خشک مقام کے آدمی یہاں آتے تو بیمار پڑ جاتے تھے۔ اسی وجہ سے یہاں کا بخار حمیٰ یثرب، پورے عرب میں مشہور تھا، چنانچہ حضرات مہاجرین یہاں پہنچے تو مزاج خراب ہو گئے۔ حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہایت تیز بخار ہوا۔ وہ بحرانی کیفیّت میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

کُلّ امرءٍ مصبح فی اھلہ
والموت ادنیٰ من شراك نعلہ

لوگ اپنے اہلِ وعیال میں ہوتے ہیں تو صُبح صُبح اُن کو دُعا دی جاتی ہے۔ اَنعِمُ صَبَاحًا[2] اور حال یہ ہے کہ موت جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگرچہ حبشی[3] تھے، مگر عمر گزری تھی مکہ کی گلیوں اور اس کی وادیوں میں۔ اُن کو بخار ہوا تو وہ بخار کی گھبراہٹ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

الالیت شعری ھل ابیتنّ لیلۃً　　بوادٍ وحولی اِذخرٌ و جلیل
وھل اردن یوما میاہ مجنۃ　　وھل یبدون لما شامۃ وطفیل

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کیا میں کوئی رات وادی (مکہ) میں اس حالت میں گزار سکوں گا

---

[1] بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اوبأ ارضِ اللہ اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ وبا والی سرزمین۔ بخاری شریف ص ۲۵۳۔

[2] یہ اہل مکہ کی تہذیب تھی، صُبح اُٹھتے ہی ایک دوسرے کو کہتے تھے اَنعِمُ صَبَاحًا۔ آپ کی صُبح بہت اچھی۔ شعر کہنے والے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ میں یہاں اپنے اہل وعیال سے دُور اس دُعا کے سُننے سے محروم ہوں۔

[3] یہ قطعی بات نہیں ہے کہ پیدائش مکہ میں ہوئی تھی، اس میں اختلاف ہے (الاستیعاب) حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مُنہ مانگی قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے کے بعد حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب بھی انہی کے پاس رہتا تھا۔ پھر مؤذنِ رسول اللہ ﷺ ہونے کی سعادت حصّہ میں آئی۔ کانا خازنًا لابی بکر و مؤذنًا لرسول صلّی اللہ علیہ وسلّم (الاستیعاب)

کہ میرے گرد (گیاہِ) اذخر[1] اور (گیاہِ) جلیل ہو اور کیا کسی روز مجنۃ[2] کے چشموں پر میرا ورود ہو سکے گا اور کیا کوہِ شامہ[3] اور کوہ طفیل مجھے سامنے نظر آئیں گے۔

پھر اُن کے لیے بددعا بھی کرتے تھے جن[4] کے ظلم وستم نے اُن کو ہجرت پر مجبور کیا تھا کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہمیں اپنے وطن سے نکال کر اس وبا والی سرزمین میں پہنچایا۔ اے اللہ ان پر لعنت کر (ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔)

صحابہ کرام کی یہ حالت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔

"اے اللہ ہمیں "مدینہ" بھی ایسا ہی محبوب بنا دے جیسے مکہ محبوب تھا یا مکہ سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت دے دے۔ اے اللہ مدینہ کے صاع میں مدینہ کے مُد میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔ خُداوندا ہمارے لیے اس کی آب و ہوا کو صحت بخش کر دے۔ اور اس کے بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے[5]۔"

---

[1] اذخر ایک گھاس کا نام ہے۔ چھتوں اور چھپروں میں لگائی جاتی ہے۔ (بخاری، ص: ۲۲)

[2] ایک پہاڑ کا نام ہے وقیل مجنة بلد علیٰ امیال من مكة وقيل جبل (معجم البلدان)

[3] شامہ اور طفیل پاس پاس دو پہاڑ ہیں جو مکہ سے پچیس تیس میل کے فاصلہ پر ہیں۔ (معجم البلدان)

[4] شیبہ بن ربیعہ عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، بخاری شریف ص ۲۵۳ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دُعا قبول ہوئی۔ اگلے سال یہ سب غزوۂ بدر میں مارے گئے۔

[5] مکہ معظمہ سے چار منزل تقریباً اسّی میل کے فاصلہ پر مدینہ کے راستہ میں ایک سیلاب زدہ مقام تھا۔ پہلے اس کا نام "مہیعہ" تھا اس وقت ایک بڑا شہر تھا۔ پھر اس طرف سیلاب آنے لگے تو یہ تباہ ہو گیا اور اس تباہی اور بربادی کے سبب سے ہی اس کو جحفہ کہا گیا (معجم البلدان) جحف کے معنے چھیل ڈالنا جحفہ، قشرہ، جاءہم سیل جحاف فاجتحفهم فسمیت الجحفة (قاموس)، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کو بخار منتقل کرنے کے لیے نامزد فرمایا۔ یہ خود اس علاقہ کی بربادی کی دلیل ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کب گوارا کر سکتے تھے کہ کسی آباد علاقہ کو وباء کے لیے منتخب فرمائیں باقی یہ کہ منتقل کرنے کے بجائے سرے سے اس مرض کو ختم کرنے کی دُعا کیوں نہیں فرمائی تو حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مزاجوں کی تبدیلی تقاضاء فطرت ہے ایسے ہی بخار بھی فطرت کا تقاضا ہے۔ جو صاحبِ کمال قدرت کے اسرار و رموز اور قضاء و قدر کی حکمتوں اور مصلحتوں کا مزاج شناس ہو وہ تبدیلی فطرت کی دُعا نہیں کر سکتا تھا واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا قبول ہُوئی۔ اس قبولیت کے آثار آج تک نمایاں ہیں کہ مدینہ منورہ کی آب و ہوا نہایت معتدل اور خوش گوار ہے۔ دولت و ثروت مدینہ میں نہیں ہے، مگر ہر چیز میں برکت ہے۔ عموماً اہلِ مدینہ اس برکت کو دولت و ثروت سے بہتر سمجھتے ہیں۔

پھر اس دار الہجرت کی جو محبّت دلوں میں ڈالی گئی اس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ اس یثرب کو یثرب کے بجائے اپنے محبوب نبی کی طرف منسوب کر کے مدینۃ النبی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کہا جانے لگا۔ پھر اسی ایک نام پر بس نہیں ہُوئی بلکہ اربابِ ذوق نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق نام رکھے جو سنّو سے زائد ہو گئے ان میں سے چورانوے نام علاّمہ سمہودی نے وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰی میں شمار کرائے ہیں

(ص: ۷ تا ص: ۱۹، ج ۱)

○

مواخات

مہاجرین اور انصار (رضی اللہ عنہم) میں بھائی چارہ

(۱)

پچاس کے قریب صحابہ کرام مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آچکے ہیں باقی آرہے ہیں۔ آنے والوں میں وہ بھی ہیں جو مکہ میں صاحبِ حیثیّت تھے، جائدادوں اور کاروبار کے مالک تھے مگر اَب یہ سب قرآن پاک کے الفاظ میں "الفقراء"[1] ہیں۔ کیونکہ وہ نہ صرف جائدادوں پر بلکہ اُن کے مال و متاع اور سامان و اسباب پر بھی دوسروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے رعب و داب اور دھاک کے آدمی چند ہی تھے جنھوں نے کھلّم کھلّا ہجرت کی۔ باقی سب وہ تھے جو چھپتے چھپاتے خالی ہاتھ بمشکل تمام مدینہ پہنچے تھے۔ اُن کے بدن کے کپڑے بھی سالم نہیں تھے (کسی قدر تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔)

(۲)

پوری دُنیا صرف وہ مٹھی بھر جان نثار اِن پردیسی فقراء اور تہی دستوں کے مددگار تھے جنھوں

---

[1] سورۃ ۵۹ حشر آیت ۸

نے بیعت عقبہ کے موقع پر اُن کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی، مگر یہ کتنے تھے؟ اُن کے ذرائع کیا تھے؟ صرف[1] تہتر یا پچھتر جب کہ اُن میں دو عورتیں بھی تھیں۔

(۳)

یثرب اوّل تو کاروباری قصبہ نہیں تھا اور جو کاروبار تھا اس پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ جن سے حضرات انصار کا تعلّق تھا وہ کاشتکار تھے کسی کے پاس اپنی زمین تھی کوئی دوسروں کی زمین میں بٹائی پر کاشت کرتا تھا۔ جن کی زمینیں اپنی تھیں۔ اقتصادی ڈھانچہ اُن کا بھی بگڑا ہُوا تھا جس کے پاس جو کچھ پس انداز تھا، وہ "اَوس" اور "خزرج" کی آپس کی لڑائی میں ختم ہو چکا تھا جن کا سلسلہ تقریباً ایک سو بیس سال کے بعد تین چار سال پہلے ختم ہُوا تھا۔

عموماً بیع سَلَم[2] (بدھنی) کی شکل میں یا سُود پر پیشگی رقم لے لی جاتی تھی اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ پوری پیداوار اس سَلَم یا سُود کی نذر ہو جاتی تھی۔

ان قبیلوں کے کچھ لوگ ان حالات سے مستثنٰی تھے، مگر اُن میں سے چند کے سوا باقی سب صاحبِ جائداد۔ بڑے لوگ اپنے سابق مذہب پر قائم تھے۔

(۴)

اللہ کے گھر (مسجد مُبارک) کی تعمیر شروع ہُوئی تو رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ان درماندہ پردیسی مہاجرین کی بود و باش کا مسئلہ بھی تھا کہ اگر اُن کے رہنے کا ٹھکانا ہو جائے تو دارالہجرت میں وطن کی کچھ آسائش میّسر آسکے اور پراگندہ حالی ختم ہو۔

ممکن تھا اُن کے لیے الگ محلّہ آباد کر دیا جاتا معاشرت کا جو فرق تھا اہلِ مدینہ کاشت کار اور زمیندار تھے اور مہاجرین تاجر پیشہ۔ شہری زندگی کے عادی۔ اس کا بھی تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ اُن کی آبادی الگ ہوتی۔ نئی آبادی کے لیے مالی مشکلات کا حل وہ باہمی تعاون تھا جس نے بلا کسی غیر معمولی خرچ کے مسجد مُبارک اور ازواجِ مطہرات کے حجرات کی تعمیر کرا دی تھی، لیکن علیحدہ آبادی سے مہاجرین اور انصار میں شیر و شکر جیسی یگانگت نہیں پیدا ہو سکتی تھی اور باہمی انسیت والفت کی

---

[1] جو حضرات بیعت کے موقع پر حاضر نہیں ہو سکے اور مُسلمان ہو چکے تھے ان کی تعداد بھی اس سے زیادہ نہ ہوگی۔

[2] بخاری شریف، ص: ۲۹۸۔

وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ[۱] نے ان حضرات کو عطا فرمائی تھی (جس کو کلامِ پاک میں خاص طور پر نمایاں فرمایا گیا تھا) وہ مشاہدہ بن کر سامنے نہیں آسکتی تھی۔

جن کو مساوات، اشتراکِ عمل اور ایک دوسرے کے لیے ایثار واخلاص کا نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ علیحدہ آبادی نہ اُن کے لیے مناسب تھی نہ وہ خود یہ علیحدگی برداشت کر سکتے تھے جو اسلامی معاشرہ میں اونچ نیچ کی بنیاد بن جاتی۔

اس کے علاوہ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے جس مساوی سطح کی ضرورت تھی علیحدہ آبادی اس کے لیے خلیج بن جاتی۔

حضرات مہاجرین کم وبیش دس بارہ سال تک برکاتِ نبوّت سے فیض یاب ہو کر تربیت یافتہ عالم و فاضل بن چکے تھے۔ حضرات انصار کی مخلصانہ ذہانت اگرچہ اُن کے لیے رہنما ہوتی تھی، مگر اس ذہانت میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم "رؤف رحیم" کا رنگ بھرنے اور حضرات انصار کو مہاجرین کی سطح پر لانے کے لیے جس تواصی[۲] بالحق۔ باہمی احتساب، افادہ اور استفادہ۔ تعلیم و تعلّم کی ضرورت تھی۔ الگ آبادی کی صورت میں وہ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

(۵)

عرب میں عقدِ موالات کا طریقہ رائج تھا۔ غیر قبیلہ کا آدمی کسی بھی قبیلہ میں پہنچتا اور ایک معاہدہ کر کے اس قبیلہ میں داخل ہو جاتا۔ اب اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا۔ معاہداتِ صلح و جنگ میں شریک رہتا اور مرنے کے بعد اس کا ترکہ بھی اسی قبیلہ میں تقسیم کیا جاتا۔ حضرات مہاجرین اور انصار میں یہ عقد ہو سکتا تھا، لیکن یہ عقد موالات کچھ روایتیں رکھتا تھا۔ ان میں ایسی روایات[۳] بھی تھیں جن کو اسلام برداشت نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو

۱۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۔ تا عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔

(سورۃ ۸ الانفال آیت ۶۲ و ۶۳)

۲۔ ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کی نصیحت کرنا۔

۳۔ ہمارے زمانہ کا سیاسی گٹھ جوڑ اور پارٹی بندی اس کا نمونہ ہے کہ حق و انصاف کا نام لینا جرم ہوتا ہے۔ جا بجا۔ جائز و ناجائز پارٹی کی حمایت کی جاتی ہے اور اسی کو تدبّر اور دانشمندی سمجھا جاتا ہے۔

بدبُودار[1] فرمایا۔ اور قرآن حکیم نے ان کی مخالف اور متضاد بُنیادوں[2] پر اسلامی تہذیب و اخلاق کی عمارت بُلند کی۔ اَب یہ پیغمبرانہ تدبّر تھا کہ عقد موالات کے بجائے آپ نے عقد مواخات کی بُنیاد ڈالی۔

(۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں حضرات مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا اجتماع ہُوا۔ یہ کل نوے حضرات تھے۔ پینتالیس مہاجرین، پینتالیس انصار آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی صوابدید کے بموجب ان میں سے ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا نام بنام بھائی قرار دے دیا۔ یہ رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیغمبرانہ فراست اور مردم شناسی تھی کہ جن کو آپ نے بھائی بنایا فطری طور پر اُن کے مزاج برادرانہ تھے۔ وہ حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار بن گئے اور مزاجوں کی موافقت کے ساتھ جب حضرات مہاجرین سے للّٰہیت اور اعلیٰ اخلاق کا بھی ظہور ہُوا تو حضرات انصار کے اخلاص نے عقیدت کی شان اختیار کر لی۔

---

[1] دعوھا فانھا منتنۃ۔ بخاری شریف، ص: ۷۲۹ [2] زمانہ جاہلیت میں اس تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی کہ حق پر کون ہے اور تقاضاءِ انصاف کیا ہے۔ صرف یہ معاہدہ (عقد مولات) ہی دلیل ہوتا تھا۔ یعنی چونکہ ہمارا حلیف میدانِ جنگ میں ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اس کی حمایت میں میدانِ جنگ میں ہوں، اسلام نے اس قسم کے معاہدہ ہی کو حرام قرار دیا، چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشہور ارشاد ہے لاحلف فی الاسلام اور مسلمانوں کے لیے قرآن پاک کی خاص ہدایت یہ ہے۔ یا ایّھا الّذین اٰمنُوکونوا قوّامین بالقسط۔ الآیۃ۔ ترجمہ، مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے یہ اللہ کے لیے گواہی (سچّی گواہی) خواہ خود تمہارے خلاف ہو یا ماں باپ اور قرابت والوں کے خلاف ہو۔ (سورۃ ۴ (نساء) آیت ۱۳۲) نیز ارشاد ہے۔ اگر کسی قوم سے کسی بناء پر ناراضگی بغض اور غصّہ ہے تو ہرگز ہرگز ایسا نہ ہو کہ یہ بغض تمہیں اُبھار دے، اس بات پر کہ اس کے ساتھ انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو۔ یہی تقویٰ سے لگتی ہُوئی بات ہے (سورۃ مائدہ رکوع ۲ آیت ۸) اور ایک گروہ نے اگر تمہیں خانہ کعبہ میں جانے سے روک دیا ہے جس سے تمہیں غم و غصّہ ہے تو اس کا یہ اثر ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ یہ غم و غصّہ تمہیں اس بات پر اُبھار دے کہ تم زیادتی کرنے لگو تمہارا دستور تو یہ ہونا چاہیے کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کے کام میں مدد نہ کرو۔

(سورۃ ۵ مائدہ آیت ۲۔)

(باقی ص ۳۷ پر)

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحؒ

عہدِ صحابۂ کرام کے چند واقعات

(۱) عہدِ فاروقی میں جب مُسلمانوں کا لشکر ملکِ فارس کو زیر و زبر کر رہا تھا یہ لشکر مقام بہرہ شیر میں پہنچا اور اس مقام کا محاصرہ کیا تو والی شہر نے مُسلمانوں کے پاس پیغام بھیجا کہ بس اَب جو ممالک آپ لوگوں کے قبضہ میں آچکے ہیں ان پر قناعت کیجیے اور جو باقی رہ گئے ہیں ان کو ہمارے لیے چھوڑ دیجیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ جو لشکر کے سردار تھے ابھی اس کا جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ ایک مسلمان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ ہم ہرگز صلح نہ کریں گے جب تک کہ افریدوں کے شہد کو کُوثیٰ کے لیمو کے ساتھ نہ کھالیں جس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے اس سے حضرت سعدؓ نے پُوچھا کہ یہ تم نے کیا کہا تو وہ شخص بولا کہ مَیں خود نہیں جانتا کہ مَیں نے کیا کہا اور کیوں کہا مگر ان الفاظ کو سُن کر حاکم شہر نے خود بخود شہر خالی کر دیا اور بغیر لڑائی کے بہرہ شیر پر مُسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد مُسلمانوں نے مدائن کی طرف رُخ کیا مگر دریائے دجلہ حائل تھا اور ان دنوں بہت طغیانی پر تھا۔ حضرت سعدؓ نے خواب دیکھا کہ مسلمان دجلہ میں داخل ہوگئے ہیں اس خواب نے گویا ان کو بیدار کر دیا اور آپ نے ساری فوج کو جمع کر کے فرمایا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم لوگ اس دریا میں اپنے گھوڑوں کو ڈال دیں۔ چنانچہ سارا لشکر دریائے دجلہ کے اندر تھا اور یہ کلمات زبان پر تھے (نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَاللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلِيَّهٗ وَلَيُظْهِرَنَّ دِيْنَهٗ لَيُظْهِرَ مِنْ عَدُوِّهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ)

دریائے دجلہ کو عبور کرتے وقت لشکر کی ترتیب اس طرح دی گئی تھی کہ دو دو مُسلمان باہم ملے ہوئے اور باتیں کرتے ہُوئے جائیں حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ ساٹھ ہزار اسلامی شہسوار دریائے دجلہ پر اس طرح پھیلے ہُوئے تھے گویا باغ کی روشوں چہل قدمی کر رہے ہیں اور جہاں گھوڑے تھک جاتے تھے وہاں خشک ٹیلہ یا خشک زمین نمودار ہوجاتی تھی جس پر کھڑے ہو کر گھوڑے آرام کر لیتے تھے۔ نہ کوئی

شخص دریا میں ڈوبا نہ کسی کی چیز ضائع ہوئی البتہ حضرت عرقدہؓ اپنے گھوڑے سے پانی میں گرے مگر حضرت قعقاعؓ نے ان کو فوراً نکال لیا اور ایک سوار کا پیالہ دریا میں گر گیا جو موج میں بہہ گیا، مگر پار اُتر کر اُنھوں نے کہا کہ خُدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ میرا پیالہ ضائع کر دے۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ ایک موج آئی اور اس نے پیالہ کو کنارے پر پہنچادیا۔ اس دن کا نام عرب کی تاریخ میں یوم الماء رکھا گیا۔ اس بعید از قیاس تائید غیبی کو دیکھ کر ایرانیوں نے شہرِ مدائن خالی کر دیا اور بغیر جنگ کے مُسلمانوں کا اس پر قبضہ ہو گیا۔

(۲) حضرت عقبہ بن نافعؓ جو حضرت معاویہؓ کی طرف سے افریقہ کے حاکم تھے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی کوئی چھاؤنی افریقہ میں نہیں ہے اور اس کی وجہ سے روز مرہ بغاوتیں پیش آتی ہیں اس فکر میں ہوئے کہ یہاں کوئی چھاؤنی بنائی جائے اور غربی افریقہ کو ایک مستقل صوبہ قرار دیا جائے، چنانچہ آپ نے اس کے لیے ایک موقع منتخب کیا۔ جہاں اس قدر دلدل اور گنجان درختوں کا جنگل تھا کہ انسان کا اس کے اندر جانا دُشوار تھا۔ مزید براں یہ معلوم ہُوا کہ اس میں موذی جانور بہت ہیں یہ سب سُن کر بھی حضرت عقبہؓ کے ارادہ میں ذرا تزلزل نہیں آیا اور آپ نے مُسلمانوں کو جمع کیا اس وقت صرف اٹھارہ صحابہ کرام وہاں تھے۔ ان سب کو لے کر آپ اس جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور باواز بلند فرمایا اَیَّتُهَا الْحَشَرَاتُ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْرُجُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ یعنی اے موذی جانورو اور درندو ہم اصحاب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں تم سب یہاں سے نکل جاؤ یہاں ہم رہیں گے۔ اب اس کے بعد اگر تم میں سے کسی کو ہم یہاں پائیں گے تو قتل کر دیں گے۔

اب دیکھو کہ اس آواز نے کیا عجیب و غریب تاثیر دکھائی تھوڑی ہی دیر کے بعد تمام جنگل میں ہل چل پڑ گئی اور تمام جانوروں کی فوجیں اس کے اندر سے نکلنا شروع ہو گئیں شیر اپنے بچّوں کو لیے ہُوئے بھیڑیا اپنے بچّوں کو لیے ہُوئے، سانپ اپنے بچّوں کو لیے ہُوئے پیٹ سے لگائے ہُوئے نکلنا شروع ہُوئے اور بھاگتے ہوئے ایک سمت روانہ ہُوئے۔ ساری مخلوق اس تماشہ کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئی ایک ایسی بدحواسی ان تمام جانوروں اور درندوں پر طاری تھی کہ کوئی کسی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر اس ملک کے ہزاروں باشندے مُسلمان ہو گئے۔

حضرت عقبہ رضؓ نے وہاں چھاؤنی بنائی اور ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام قیروان رکھا گیا
(۳) شہر قیروان کی بنیاد جب پڑ چکی تو مسلمانوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ یہاں ایک جامع مسجد بنائی جائے، مگر حضرت عقبہ رضؓ کو اس میں یہ مصیبت پیش آئی کہ سمت قبلہ کی حقیقی تعیین کسی طرح نہ ہو سکی یکایک ایک غیبی آواز ان کے کان میں آئی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ کل صبح کو جب تم مسجد میں داخل ہو تو ایک تکبیر کی آواز آئے گی، اسی آواز کی سمت میں تم چلے جانا جہاں وہ آواز ختم ہو جاوے سمجھ لینا کہ قبلہ کی جگہ وہی ہے، وہاں ایک نشان لگا دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسی غیبی آواز کی ہدایت پر سمت قبلہ کی تعیین کی گئی۔ پھر اس کے بعد قیروان کی اور مسجدیں بھی اسی سمت پر بنائی گئیں۔

(۴) انہیں حضرت عقبہ رضؓ کو ملک افریقہ میں ایک ایسے مقام پر جانا پڑا جہاں دُور دُور تک پانی نہ تھا قریب تھا کہ پیاس کے سبب سے لوگ ہلاک ہو جائیں حضرت عقبہ رضؓ اس حال کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا مانگنے لگے۔ ابھی دعا ختم نہ کی تھی کہ گھوڑے نے اپنے سُم سے زمین کو کریدنا شروع کیا۔ زمین کے اندر سے ایک صاف پتھر نمودار ہوا جس سے پانی کا چشمہ جوش کر رہا تھا سارے لشکر کے لیے یہ غیبی سامان ایسا ہوا کہ کسی کو پانی کی تکلیف نہیں ہوئی، چنانچہ اس مقام کا نام ہی "مَاءُ الْفَرَسِ" (گھوڑے کا پانی) مشہور ہو گیا۔

(۵) ملک فارس میں سب سے بڑی جنگِ عظیم مقام قادسیہ میں ہوئی اس سے فراغت پانے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمر کو نیسان کی فتح کے لیے روانہ کیا، مگر وہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دشمن ایک محفوظ قلعہ میں ہے اور مسلمانوں کو سامان رسد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ دودھ اور گوشت تو خواب میں بھی دیکھنے کو نہیں مل سکتا اور اس مقام کے اطراف و جوانب اور دیہات سے بھی کچھ واقفیت نہیں بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ حضرت عاصم انہیں چیزوں کی تلاش میں تھے کہ ایک جنگل میں ایک شخص ملا وہ درحقیقت چرواہا تھا اور مویشیاں لے کر اس جنگل میں چرانے آیا تھا، مگر اُن کو دیکھتے ہی اُس نے سب جانور جنگل کے گنجان درختوں میں چھپا دیے اور جب انھوں نے اس سے پوچھا کہ کہیں سے دودھ اور گوشت کے جانور مل سکتے ہیں تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اب قدرت خداوندی دیکھو کہ وہ گائے بیل جو جنگل کے اندر تھے انسانی زبان اور عربی لسان میں بول اٹھے کہ کَذَّابٌ عَدُوٌّ

اللہِ ھَانَحنُ یعنی یہ شخص جھوٹ بولتا ہے ہم یہاں ہیں پھر کیا تھا۔حضرت عاصم جنگل کے اندر داخل ہوتے اور بہت کثیر تعداد میں مویشی ان کو مل گئے، دُودھ اور گوشت دونوں کی افراط ہوگئی۔

(۶) اسلامی لشکر نے جب ملک شام میں شہر حمص کا محاصرہ کیا تو دُشمن نے قلعہ کے دروازہ بند کر لیے اور باہم یہ رائے طے کر لی کہ ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں مُسلمان خود ہی یہاں پڑے پڑے تنگ آکر بھاگ جائیں گے۔جاڑوں کا موسم تھا۔ان لوگوں نے یہ بھی خیال کیا کہ یہ عرب کے لوگ یہاں کی سخت سردی کا تحمل نہ کر سکیں گے۔خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے پاس یہاں سردی کے لائق کپڑے بھی نہیں چنانچہ جاڑوں کا پُورا موسم ختم ہوگیا اور مسلمان اسی طرح محاصرہ کیے ہُوئے پڑے رہے۔آخر مُسلمانوں نے تنگ آکر حملہ کی تیّاری کی اور ایک تکبیر بلند آواز سے کہی اس تکبیر کا یہ اثر ہُوا کہ قلعہ میں زلزلہ آگیا اور دیواریں گر پڑیں پھر دوسری تکبیر میں اس سے زیادہ شدید زلزلہ آیا۔مجبور ہوکر اہلِ حمص نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی۔

(۷) جب مُسلمانوں نے ملک فارس میں شہر حیرہ پر چڑھائی کی تو وہاں کے لوگوں نے صلح کی درخواست کی اور اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے عمرو بن عبد المسیح نامی عیسائی کو جس کی عمر کئی سو سال کی تھی بھیجا جب اُس سے گفتگو ہو چکی تو حضرت خالدؓ نے جو مسلمانوں کی فوج کے اس وقت سردار تھے اس عیسائی کے پاس ایک تھیلی دیکھی پُوچھا کہ اس میں کیا ہے۔عیسائی نے کہا اس میں سم الساعۃ ہے یعنی فی الفور ہلاک کرنے والا زہر۔یہ زہر میں اس لیے لایا تھا کہ اگر آپ لوگوں کے یہ حالات پسندیدہ نہ دیکھتا تو اسی وقت زہر کھا کر اپنی جان دے دیتا۔حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ زہر کچھ اثر نہیں کرتا یہ کہہ کر بسم اللہ پڑھ کر آپ نے وہ زہر کھا لیا اور کچھ اثر نہ ہُوا۔یہ نمایاں کرامت دیکھ کر دُشمن ہیبت زدہ ہوگئے۔

یہ ایک نمونہ تھا اس قسم کے واقعات قدم قدم پر رونما ہوتے تھے اور ساری دُنیا دیکھتی تھی کیوں نہ ہوتے کس کے صحابی تھے۔صلّی اللہ تعالیٰ اصاحبھم وعلیھم وبارك وسلّم۔

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری
استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند، انڈیا۔

طب اور اسلام

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

جنابِ صدر! حضراتِ اطباء اور برادرانِ عزیز!

جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند کا انعامی جلسہ بعض وجوہ سے دار العلوم دیوبند کے انعامی جلسہ سے علیحدہ ہو رہا ہے، جس کے اسباب پر پرنسپل جامعہ طبیہ جناب مولانا حکیم محمد عمر صاحب نے اپنی رپورٹ میں روشنی ڈالی ہے، ہمیں اس کوتاہی کا احساس ہے عقلاً اور اُصولاً جامعہ طبیہ کے انعامات کی تقسیم دار العلوم کے طلباء کے ساتھ ہی ہونی چاہیے، کیونکہ جامعہ طبیہ دار العلوم ہی کا ایک شعبہ ہے اور جامعہ کے طلبہ دار العلوم ہی کے طلبہ ہیں اور یہاں کی تعلیم بھی دین ہی کی تعلیم ہے مگر جو مقدر ہوتا ہے وہ ہوتا ہے اور عالم اسباب میں اس کے اسباب بن جاتے ہیں، اَب اس مسئلہ کو حل کرنے کی سوائے اسکے کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ دو ہفتہ کی تاخیر سے ہونے والی اس نشست کو دار العلوم کے جلسۂ انعامیہ کی چوتھی نشست قرار دیں، دار العلوم کے انعامات تین نشستوں میں تقسیم ہوئے تھے، آج اس کی چوتھی نشست کو اسی کا تتمہ سمجھنا چاہیے اور ہفتہ دو ہفتہ کے فصل کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب میں سالانہ قومی میلے ہوتے تھے اور ان میں مشاعروں کے پروگرام رکھے جاتے تھے، شعراء اپنی سال بھر کی کاوشیں پیش کرتے تھے اور صدر جلسہ ان کی پوزیشن متعین کیا کرتا تھا، ایک بار عُکاظ کے

مشاعرہ میں عراق کے کسی شاعر نے کلام پڑھا، صدر جلسہ نے اس کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اَنْتَ اَشْعَرُ مَنْ بِالْعِرَاقِ یعنی آپ عراق کے تمام شعراء میں اوّل نمبر ہیں۔

مشاعرہ ختم ہو گیا۔ لوگ گھر لوٹ گئے۔ شعراء سال بھر مشقِ سُخن کرتے رہے اور اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے رہے۔ اگلے سال جب دوبارہ مشاعرہ ہوا تو وہ شاعر اپنا نیا کلام لے کر شریک جلسہ ہوا، اتّفاق سے امسال بھی صدر جلسہ وہی استاذ تھے جنھوں نے سالِ گزشتہ صدارت کی تھی، جب اس شاعر نے اپنا تازہ کلام سُنایا تو چونکہ وہ سال بھر کی محنت سے اتنا آگے نکل چکا تھا کہ صدر اجلاس نے اعلان کیا وَمَنْ بِالْحِجَازِ! یعنی آپ حجاز کے تمام شعراء میں بھی اوّل نمبر ہیں، صدر جلسہ نے اس جُملہ کا عطف سالِ گزشتہ بولے ہوئے جملہ پر کیا، الغرض جب معطوف، معطوف علیہ میں سال بھر کا فصل ہو سکتا ہے تو ایک جلسہ کی مختلف نشستوں میں ہفتہ دو ہفتہ کا فصل کیوں نہیں ہو سکتا۔

آپ آج کے اس جامعہ طبیہ کے جلسۂ انعامیہ کو جلسۂ معطوف سمجھئے اور اس کو دار العلوم کے جلسہ کا تتمہ خیال کیجیے۔

برادرانِ عزیز! علم طب کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ یہ دینوی علم ہے، علم دین سے اس کا براہِ راست کوئی تعلّق نہیں ہے، خدمتِ خلق کی نیت کے ذریعہ اس کا دین سے جوڑ لگایا جاتا ہے۔ مَیں آج کی گفتگو میں اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے اور یہ پیدا ہوا ہے کسی کے اُس مقولہ سے جو زبان زد خاص و عام ہے کہ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ: عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَ عِلْمُ الْاَبْدَانِ معلوم نہیں یہ بات کس نے کہی[1] ہے جس نے بھی کہی ہے غلط کہی ہے۔

علمِ طب، علمِ شریعت کا ایک لازمی جز ہے اور دین کا ایک اہم باب ہے اور سیرت نبویؐ کا ایک اہم گوشہ ہے، آپ اس سلسلہ میں تین باتوں پر غور کریں، آپ خود یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ خیال بالکل ہی بے اصل ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ حدیث شریف کی کسی بھی کتاب کو اُٹھا کر آپ دیکھ لیں، آپ کو ہر کتاب میں "کتاب الطب والرّقیٰ" ضرور ملے گی، اگر علم طب علمِ دین کا جز نہ ہوتا تو کُتب احادیث میں اس

---

[1] موضوعات کی کتابوں میں اس کو موضوع حدیث کہا گیا ہے (المصنوع فی الاحادیث الموضوع لعلی القاری ص۱۲۳)

باب کو شامل کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا، اس لیے یہ بات بدیہی اولیٰ ہے کہ جس طرح نماز، زکوٰۃ، حج، روزے بیع و شراء، مزارعہ، اجارہ، اوقاف اور میراث کُتبِ حدیث کے ابواب ہیں اور دین کے اجزا ہیں اسی طرح علمِ طب بھی علمِ شریعت کا ایک شعبہ اور علمِ دین کا ایک جزوِ لاینفک ہے۔

البتہ یہ فرق آپ ضرور ملحوظ رکھیں کہ دین کے سب اجزاء ہم رتبہ نہیں ہیں، کوئی فرض عین ہے تو کوئی فرضِ کفایہ، کوئی واجب ہے تو کوئی سُنّت اور مستحب، اس لیے دلائل کی روشنی میں اس پر تو گفتگو کی جاسکتی ہے کہ علمِ طب کا دین میں کیا مقام ہے، فرضِ کفایہ ہے یا سُنّت و مستحب ہے؟ مگر اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ علم طب علم دین ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ حکیم انسانیت، فخرِ کائنات، سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً یہ حدیث شریف صحت کے اعلیٰ معیار پر ہے صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے، مسلم شریف میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جو ارشاد مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لِکُلِّ دَآءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّآءِ بَرَأَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی ہر مرض کا علاج ہے، کوئی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج خالقِ کائنات نے پیدا نہ فرمایا ہو، یہ علاج اسی لیے ہے اور یہ دوائیں اسی لیے پیدا کی گئی ہیں کہ ان کو استعمال کیا جائے اور اس ارشاد نبویؐ کا مقصد بھی اُمّت کو علاج کرنے کی ترغیب دینا ہے۔

آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی خود اپنا علاج فرمایا ہے اور اپنے دستِ مُبارک سے یا اپنے زیرِ انتظام اپنے صحابہ کا علاج کیا ہے اور اسی وجہ سے پوری اُمّت متفق ہے کہ بیماری کا علاج سُنّت نبوی ہے۔

آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُس ارشاد سے جو مُسلم شریف میں وارد ہوا ہے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مُسلمانوں کی یہ بھی ذمّہ داری ہے کہ جب کوئی نئی بیماری جنم لے تو اس کے علاج کی کھوج لگائیں۔ کیونکہ اس ارشاد میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب دوا بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو بحکم الٰہی شفا ہوتی ہے، بے سوچے سمجھے علاج کرتے رہنا اور شفا کی اُمید رکھنا اسلامی تعلیمات کی رو سے صحیح نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص بیماریوں کی دوائیں متعین نہیں کر سکتا، یہ فریضہ حضراتِ اطباء کا ہے کہ وہ ہر اس بیماری کا علاج دریافت کریں جو نئی پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً ایک زمانہ میں لقوا، سِل،

دِق لاعلاج مرض سمجھے جاتے تھے، مگر کھوج جاری رہی، تلاش وجستجو ہوتی رہی اور جوینده یابنده آج اطبّاء نے اس کا علاج دریافت کرلیا، دوا بیماری کے مطابق حاصل ہوگئی، چنانچہ اب یہ امراض لاعلاج نہیں سمجھے جاتے اور مَیں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ آج پچھتر فیصد مریض بحکم الٰہی شفایاب ہوجاتے ہیں، مگر زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ بیماریاں بھی نئی نئی پیدا ہوتی رہتی ہیں، مثلاً آج کینسر لاعلاج مرض سمجھا جاتا ہے، مسلمان اطبّاء کو اُن کے دین نے یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے، کینسر کا بھی کائنات میں معقول اور صدفی صد علاج موجود ہے، مسلمان اطبّاء کو دینی فریضہ سمجھ کر جدوجہد جاری رکھنی چاہیے اور تجربات اور تحقیقات کے ذریعہ اس کی واقعی دوا ڈھونڈ نکالنی چاہیے، اگر طلب صادق رہی اور جہد مسلسل ہوتی رہی تو انشاء اللہ وہ دن دُور نہیں ہے کہ اس مرض کے مطابق دوا دریافت ہوجائے گی اور انسانیت کو بڑی راحت ملے گی۔

الغرض نئی پیچیدہ اور خطرناک بیماریوں کے بارے میں تجربات اور تحقیقات کرتے ہوئے یہ خیال غالب نہیں رہنا چاہیے کہ جس طرح کیمیا بنانے والے کی محنت رائیگاں جاتی ہے اس کی جدوجہد بھی بے فائدہ ثابت ہوگی بلکہ اس حدیث شریف کی روشنی میں اسے جزم و یقین کے ساتھ جدوجہد جاری رکھنی چاہیے، انشاء اللہ وہ دیر سویر اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔

بلکہ میں تو آگے بڑھ کر یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں شرعاً مامور بہ ہیں مجمع علماء کا ہے، آپ سب ہی حضرات یہ نکتہ جانتے ہیں کہ حدیث شریف "خبر" ہے اس میں دو باتوں کی اطلاع دی گئی ہے ایک یہ کہ ہر بیماری کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسبابِ شفاء پیدا فرمائے ہیں۔ دوسری اطلاع یہ دی ہے کہ جب دوا بیماری کے مطابق آتی ہے تو بحکم الٰہی شفاء ہوتی ہے، الحاصل یہ دونوں خبریں اور اطلاعات ہیں جو سیّد الکونین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کو دی ہیں اور ہر خبر انشاء کو متضمن ہوتی ہے پس جب ہم اس نُقطۂ نظر سے اس ارشادِ نبوی کو پڑھتے ہیں تو ہمارے سامنے دو شرعی حکم آتے ہیں ایک یہ کہ بیمار ہونے پر اسبابِ شفاء اختیار کرنے چاہییں، مرض کا علاج کرنا چاہیے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ ہر نئی بیماری کی دوا ڈھونڈنی چاہیے، پہلا حکم ظاہر ہے کہ عام انسانوں سے متعلق ہے مگر دوسرا حکم سب کی مشترک ذمّہ داری ہے، عام انسانوں کی ذمّہ داری یہ ہے کہ ایک علاج سے فائدہ نہ ہو تو ہمت ہار کر نہ بیٹھ رہیں، بلکہ دوسرا علاج اختیار کریں، اس خیال سے کہ ہوسکتا ہے دوسرا موافق آجائے۔ اور اربابِ فن کی

یہ ذمہ داری ہے اور آپ حضرات پر شرعاً یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہر نئی بیماری کا علاج تلاش کریں۔

اس کو آپ یُوں سمجھ سکتے ہیں کہ شریعت نے اطبّاء کو علاج میں اجتہاد کا حکم دیا ہے جس طرح ترقی پذیر دُنیا میں، نئے نئے رونما ہونے والے معاملات میں فقیہ زمانہ مامور ہے کہ اجتہاد کرے اور نئے معاملات کے شرعی احکام واضح کرے۔ اسی طرح بیماریاں نت نئی پیدا ہوتی رہتی ہیں، اس لیے حضرات اطبّاء پر فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اجتہاد کریں اور نئی بیماریوں کی مخصوص دوائیں دریافت کریں۔

مَیں اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہُوئے نہایت دُکھ محسوس کرتا ہُوں کہ ہمارے متقدمین اطبّا نے تو اپنی ذمہ داری محسوس کی تھی، اُنھوں نے انتھک کوششوں سے فن کو چار چاند لگائے تھے، ابو علی سینا کی کتاب "القانون" کا صدیاں گزرنے کے بعد بھی فنِ طب میں ایک اہم مقام ہے، مگر افسوس ہے کہ متاخرین اطبّا نے نہ صرف یہ کہ فن کو اپنی مجتہدانہ صلاحیتوں سے محروم رکھا بلکہ وہ اسلاف کے ورثہ کی حفاظت بھی کماحقہ نہیں کر سکے۔ قرونِ متوسطہ کی کتابوں میں ہمیں نہ صرف فن جراحی، سرجری اور آپریشن کا نظریہ ملتا ہے بلکہ ہمیں ان کتابوں میں آپریشن کے عجیب عجیب آلات کی تصویریں بھی ملتی ہیں، مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے اطبّاء سرجری کو اجانب کا طریقہ سمجھتے ہیں اور اُن کے یہاں پھوڑے پھنسی تک کی جراحی کے آلات نہیں ہیں۔ مُسلمانوں کا یہ فن غیروں نے اپنا لیا اور اپنی مجتہدانہ جدوجہد سے اتنا آگے بڑھا دیا کہ آج مشکل ہی سے کوئی شخص یہ اعتراف کرے گا کہ فن جراحی مُسلمانوں کی ایجاد ہے۔

تیسری بات جو مَیں آپ کے غور کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مذہبِ اسلام کی بنیادی کتاب قرآنِ کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جس میں یہ دعوٰی کیا گیا ہے کہ وہ تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے، اس آیت کریمہ کا مطلب جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں علوم دینیہ کی طرح تمام علوم دنیویہ کا بھی تذکرہ ہے یہ صحیح نہیں ہے، اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کا یہاں موقع نہیں ورنہ میں اس بات کی غلطی واضح کرتا، البتہ آپ کے غور کے لیے اتنا اشارہ کیے دیتا ہوں کہ دین کے جو اصل حامل ہیں یعنی علماء کرام جو درحقیقت قرآن کے رمز شناس ہیں اور جن کا شب و روز کا مشغلہ قرآن و حدیث میں غور و فکر کرنا ہے آپ کبھی کسی ایسے عالم سے یہ دعوٰی نہیں سُنیں گے کہ قرآن کریم میں تمام دنیوی علوم بیان کیے گئے ہیں، یہ دعوے آپ انگریزی پڑھے لکھے دانشوروں سے سُنیں گے۔ وہ قرآنِ کریم کی تعظیم اور اس کی عظمت کو دوبالا

کرنے کے لیے اپنے مخاطبین کے سامنے اس قسم کے دعوے دُہراتے رہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک دینی کتاب ہے اور دین کے متعلق تمام اُمور اور انسان کی تہذیب و تربیت سے متعلق تمام مضامین اس میں نہایت خُوبی کے ساتھ تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اُصول کی روشنی میں قیامت تک کی تمام ضروریات سمیٹ لی گئی ہیں۔

اس لیے ہمیں غور کرنا ہے کہ علم طب کے بارے میں قرآنِ کریم نے کیا موقف اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن القیم رح نے ایک جگہ لکھا ہے کہ علم طب کے بنیادی اُصول تین ہیں، قرآن کریم نے وہ تینوں اُصول ملحوظ رکھے ہیں۔[1]

پہلا اُصول۔ حفظانِ صحت ہے یعنی اس طرح زندگی گزارنی چاہیے کہ آدمی بیماریوں سے محفوظ رہے ان شکلوں سے بچنا چاہیے جو بیماریوں کو دعوت دیتی ہیں یا جن میں بیمار پڑنے کا اندیشہ ہے، مثلاً آج کل موسم بدل رہا ہے، ٹھنڈا گرم ہو رہا ہے، دن گرم ہوتا ہے۔ رات ٹھنڈی ہوجاتی ہے، ایسے زمانہ میں پہننے کے کپڑوں میں بے احتیاطی برتنا یا بے پروائی سے باہر کُھلی جگہ میں سوجانا حفظانِ صحت کے اُصول کے خلاف ہے۔

حفظانِ صحت کے بہت سے اُصول ہیں، مگر ان میں جو بنیادی چیز ہے اُس کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے قرآنِ کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو یعنی حد سے زیادہ نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ اسرفین کو پسند نہیں فرماتے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی مملوکہ حلال وطیب چیز کھا رہے ہیں تو ہمارا جی چاہے اتنی کھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسراف سے کیوں منع فرمارہے ہیں اگر ہم غیر کا مال حالتِ مخمصہ میں کھا رہے ہوتے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ جان بچانے کی حد تک کھانے کی اجازت دی گئی ہے اور زائد از ضرورت کھانے سے اس لیے منع کیا گیا کہ وہ کھانا غیر کا ہے، مگر جب ہم اپنا ہی مملوکہ کھانا کھا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُوْرْلِمِٹْ کھانے سے کیوں منع فرمارہے ہیں؟ مَیں اسی سلسلہ میں عرض کررہا تھا کہ کھانے

---

[1] قواعد طب الابدان ثلثة: حفظ الصحة، والحمية عن الموذی واستفراغ المواد الفاسدة فذکر سبحانه هذه الاصول الثلاثة الخ (زاد المعاد ص۵۹ ج ۲)

پلنے میں اسراف کی یہ ممانعت حفظانِ صحت کے اُصول کو پیشِ نظر رکھنے کی وجہ سے ہے، یہ بات صحیح ہے کہ کھانا اپنا ہے مگر اناڑی کی بندوق کی طرح پیٹ بھر لینے سے بجائے فائدے کے نقصان ہو سکتا ہے۔ اس لیے حفظانِ صحت کے اُصول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کھانے میں اعتدال کا خیال رکھیں۔

میرے عزیزو! اگر آپ غور کریں گے تو بیشتر بیماریوں کا سبب اسی پُرخوری کو پائیں گے آج لوگوں کا یہ حال ہے اور اُن کے کھانے کی ہوس اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ بھوک کے طبعی تقاضے سے نہیں کھاتے ہیں اور نہ طبعی تقاضے پر اکتفا کرتے ہیں، اشتہاء صادق نہیں ہوتی پھر بھی چٹنیوں اچاروں، کچومروں اور سلادوں کی مدد سے کھاتے ہیں، ایک وقت بھی ناغہ نہیں کرتے اور جو لوگ بھوک لگنے پر کھاتے ہیں، وہ طبعی اشتہاء پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ چٹنیوں کی مدد سے کھانے کو دھکے دے دے کر گلے تک لبالب بھر لیتے ہیں۔ پھر بیمار نہیں پڑیں گے تو کیا ہوگا۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا، آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں سلطنت روم نے ایک حکیم کو مدینہ منوّرہ بھیجا تاکہ مطب کرے اور مُسلمانوں کے بارے میں رپورٹ اپنی حکومت کو بھیجتا رہے کہتے ہیں کہ وہ مدینہ منوّرہ آیا اور مطب کرلیا، پُورا ایک مہینہ انتظار کرتا رہا، مگر ایک مریض بھی اس کے پاس نہیں پہنچا۔ وہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے اس شہر میں کوئی بیمار ہی نہیں ہے۔ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم بھوک لگنے پر کھاتے ہیں اور بھوک باقی ہوتی ہے اور کھانا چھوڑ دیتے ہیں، وہ حکیم یہ کہتا ہُوا اپنی دُکان بڑھا گیا کہ یہاں کوئی بیمار ہو ہی نہیں سکتا۔

کھانے کے آداب میں اسلام نے اس اَدب کو بڑی اہمیّت دی ہے کہ پیٹ کے تین حصّے کیے جائیں، ایک حصّہ کھانے کے لیے، دوسرا حصّہ پانی کے لیے اور تیسرا حصّہ سانس کے لیے رکھا جائے، یعنی بھُوک لگنے پر بھی ایک تہائی پیٹ کھایا جائے، یہ اَدبِ اسلامی اسی آیت کریمہ کی تفسیر ہے جس میں اپنی صحّت کی حفاظت کے لیے کھانے پینے میں احتیاط اور اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔

دوسرا بُنیادی اُصول علم طب کا حِمیہ یعنی پرہیز ہے۔ یعنی پُوری احتیاط کے باوجود اگر آدمی بیمار ہو جائے تو اُسے پُوری احتیاط کرنی چاہیئے اور ان چیزوں سے بچنا چاہیے جن سے بیماری کو بڑھاوا ملتا ہے۔

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب حفظانِ صحت کے اصولوں کی پوری پوری رعایت رکھی جائے گی تو پھر بیمار ہونے کا کیا سوال؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہیے کہ اوّل تو انسان ہمہ وقت بھول چوک سے دوچار رہتا ہے، انسان سے یہ مستبعد نہیں ہے کہ وہ بھول کر یا چوک کر حفظانِ صحت کے اصول کی خلاف ورزی کر بیٹھے اور اُس کے نتیجہ میں بیمار پڑ جائے، ثانیاً حفظانِ صحت کے اصول بیماری سے بچنے کے اسباب ہیں، علتیں نہیں ہیں، اسباب فیل بھی ہو سکتے ہیں اور متعارض بھی ہو سکتے ہیں، نیز انسان حوادث سے بھی دوچار ہوتا رہتا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی احتیاط اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ مقدراتِ الٰہی کے ہاتھوں انسان مجبور ہوتا ہے، الغرض حفظانِ صحت کے اصولوں کی رعایت رکھتے ہوئے بھی بیمار پڑنے کی بہت سی راہیں ہیں، پس جب بیمار پڑ جاتے تو اب فنِ طب میں جو بنیادی ہدایت مریض کو دی جاتی ہے وہ حمیہ یعنی پرہیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی رعایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ یعنی بیمار کو جسے پانی نقصان پہنچاتا ہے پانی کی موجودگی میں بھی تیمم کی اجازت ہے، تفصیل علم فقہ میں ہے کہ کن کن صورتوں میں ضرر تیمم کو مباح کرتا ہے۔ مجھے اجمالاً یہ بات عرض کرنی ہے کہ بیماری کی حالت میں تیمم کی اجازت نیز بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت جو ایک دوسری آیت میں وارد ہوئی ہے اسی حمیہ یعنی پرہیز کی رعایت فرماتے ہوئے دی گئی ہے۔

علم طب کا تیسرا بنیادی اصول، استفراغ مادّہ فاسد ہے یعنی علاج ظاہری اور سرسری نہ ہونا چاہیے بلکہ جو فاسد مادہ مرض کا سبب ہے اُس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ اس اصول کی رعایت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ، اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں ایک واقعہ مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کیلئے تشریف لے جارہے تھے، صحابہ کا بڑا مجمع ساتھ تھا، ایک صحابی حضرت کعب بن عجرہؓ کے سر میں جوئیں ہو گئیں اور اس بُری طرح ہو گئیں کہ سر میں سے جھڑ جھڑ کر نیچے گرنے لگیں، ایک منزل میں پڑاؤ تھا۔ وہ بیٹھے ہانڈی پکا رہے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے پاس سے گزر ہوا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا حال ملاحظہ فرمایا اور دریافت فرمایا کہ اَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ؟ کیا یہ جوئیں آپ کو ستاتی ہیں؟ اُنھوں نے اثبات میں جواب دیا، جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اُنھیں اجازت دی گئی کہ وہ حالتِ احرام میں سر منڈوا دیں اور فدیہ ادا کریں کیونکہ جوؤں کا عارضی علاج کچھ

زیادہ کارگر نہیں جب تک سر منڈا کر میل کچیل دُور نہ کیا جائے اور مسامات کھل کر متعفن ریاح خارج نہ ہوں، کامل علاج نہیں ہوسکتا۔

الغرض قرآنِ کریم نے علم طب کے تینوں بُنیادی اُصولوں کی طرف نہ صرف اشارہ فرمایا ہے بلکہ احکام میں اُن کی پُوری پُوری رعایت فرمائی ہے، پھر ایسے علم کو دینوی علم کہنے کی گنجائش کیونکہ ہوسکتی ہے؟ اس لیے آپ حضرات اپنا ذہن بالکل صاف کرلیں، علم طب دنیوی علم ہرگز نہیں ہے۔ ہمارا یہ جامعہ طبیہ تو چند سالوں سے قائم ہُوا ہے مگر علم طب کی تعلیم دارالعلوم میں روزِ اوّل ہی سے جاری ہے کیونکہ یہ علم شریعت کا ایک اہم باب ہے، دارالعلوم ایک دینی ادارہ ہے وہ جس دین کی تعلیم دے رہا ہے اس کی تکمیل علم طب کی تعلیم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست حضرت اقدس مولانا گنگوہی قدس سرہٗ نہ صرف علم طب جانتے تھے، بلکہ علاج معالجہ بھی کرتے تھے۔ اسی طرح دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ حاذق حکیم تھے۔ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہٗ تو غالباً حکیم نہیں تھے مگر اُن کے بھائی حکیم تھے۔ حضرت علّامہ کشمیری رحمہ اللّٰہ علیہ نے بڑی عمر میں علم طب کا مطالعہ فرمایا تھا اور اس درجہ مہارت حاصل کرلی تھی کہ دیوبند کے مشہور معالج حکیم محفوظ صاحب رح اُنہی کے فیض یافتہ تھے۔ جامعہ طبیہ کے قیام سے پہلے قانونچہ، نفیسی اور شرح اسباب درس نظامی کا جزء تھے، اور ہمارے حکیم محمد عمر صاحب، پرنسپل جامعہ طبیہ اس وقت بھی یہ کتابیں پڑھاتے تھے، اور اس وقت کے ان فیض یافتہ تلامذہ آج ملک کے نامور اطبا ہیں۔

الغرض آپ حضرات نیتیں بدلیں اور ذہن سے یہ خیال نکال دیں کہ آپ دینوی علم حاصل کر رہے ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ آپ ایک خالص دینی علم حاصل کر رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰی، اگر آپ حضرات اپنی نیتیں صحیح کرلیں گے تو حقیقی معنی میں آپ دینی طالب علم بن جائیں گے اور آپ کا سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، غرض ہر حرکت و عمل عبادت بن جائے گی اور آپ کائنات کی دُعاؤں کے حق دار ہوں گے، فرشتے آپ کی تعظیم کریں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ۔ آسمان و زمین کے درمیان جو ملائکہ مامور ہیں اور اپنے کام میں مشغول ہیں، جب وہ کسی طالبِ علم کو دیکھتے ہیں تو اپنے پر رکھ دیتے ہیں یعنی اپنی پرواز بند کر دیتے ہیں، اور

طالب علم کو خوش کرنے کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غرض کہ آپ کا مقام بہت بلند ہے بشرطیکہ آپ کی نیت درست ہو اور اگر کسی کو یہ خلجان ہو کہ حکیم ڈاکٹر تو علاج کے پیسے لیتے ہیں، اگر علم طب دینی علم ہے اور علاج معالجہ دینی کام ہے تو اس پر اُجرت لینا کیونکر دُرست ہے؟ تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ علم طب کا رتبہ بہت بڑھایا جائے تو فرض کفایہ کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے فرض عین بہرحال اس کو نہیں کہا جاسکتا اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادائیگی فریضہ کے لیے متعین نہ ہو تو وہ عمل کی اُجرت لے سکتا ہے مثلاً مُسلمان کی تجہیز و تکفین فرض کفایہ ہے، اگر گورکن اس کام کے لیے متعیّن نہیں ہے بلکہ دوسرے مُسلمان اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے موجود ہیں تو گورکن قبر کھودنے کی، غسّال نہلانے کی اور درزی کفن سینے کی اُجرت لے سکتا ہے۔ لیکن اگر یہی حضرات اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے متعیّن ہو جائیں، یعنی تجہیز و تکفین کے لیے دوسرے مُسلمان موجود نہ ہوں یہی کفن دوز، غسّال اور گورکن ہی موجود ہوں تو اَب ان میں سے کسی کے لیے اُجرت لینا جائز نہیں ہے، اب یہ اُن کا دینی فریضہ ہے کہ میّت کو نہلائیں، کفن پہنائیں اور قبر کھود کر دفن کریں۔

اسی طرح اگر کسی مریض کے علاج کے لیے کوئی حکیم یا ڈاکٹر متعیّن نہیں ہے تو اس کے لیے علاج و معالجہ کی اُجرت اور فیس لینا جائز ہے لیکن اگر کسی موقع پر کسی مریض کے علاج کے لیے کوئی حکیم یا ڈاکٹر متعیّن ہو جائے اور سوائے اس کے کوئی علاج کرنے والا موجود نہ ہو تو اَب اس کا دینی فریضہ ہے کہ اُجرت اور فیس کے مطالبہ سے بالاتر ہو کر اس مریض کی جان بچانے کے لیے اپنی آخری توانائی تک صرف کردے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حکیم ڈاکٹر اپنے پاس سے دوا بھی دیتے ہیں اور دوا کی قیمت لینا جائز ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ عوض عبادات محضہ کا لینا جائز نہیں ہے جیسے نماز پڑھنا، حج کرنا، وغیرہ وغیرہ، ان میں بھی فقہاء متاخرین نے اذان و امامت اور تعلیم قرآن کی تنخواہ لینے کو جائز کہا ہے، بہرحال عبادات محضہ کا عوض لینا جائز نہیں ہے اور علم طب ظاہر ہے کہ عبادت محضہ نہیں ہے بلکہ از قبیل معاملات فیما بین الناس ہے اس لیے مذکورہ شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مَیں خیال کرتا ہوں کہ اَب بات اچھی طرح منقح ہوگئی ہے اور وقت بھی کافی ہوگیا ہے اور جلسہ کا اصل مقصد یعنی انعامات کی تقسیم ابھی باقی ہے۔ اب قبلہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم اپنے دستِ مبارک سے آپ حضرات کو انعام دیں گے اس لیے میں بات کو مختصر کرتے ہوئے ایک آخری بات کہہ کر گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

انعام۔ انعام ہوتا ہے وہ آپ کی جدّوجہد کا بدل نہیں ہے۔ نہ اُس کا صلہ دینا ممکن ہے دارالعلوم اپنی بساط کے مطابق بہت معمولی سا انعام پیش کرتا ہے۔ آپ اسے قبول فرمائیں اور اس کی جو اہمیت ہے اُس کو ذہن نشین رکھیں۔

حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے کسی غزوہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم مراجعت فرماتے مدینہ منورہ ہو رہے تھے اور حسبِ معمول لشکر کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے تاکہ ضرورت مندوں کی دستگیری فرمائیں۔ لشکر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے مگر اُن کے پاس سواری کے لیے جو اُونٹنی تھی وہ نہایت ہی لاغر تھی، قافلہ کے ساتھ نہیں چل سکتی تھی، جس کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم قافلہ کے پیچھے تشریف لا رہے تھے، راستہ میں حضرت جابرؓ سے ملاقات ہُوئی، حضورؐ نے وجہ پُوچھی کہ قافلہ سے پیچھے کیوں رہ گئے ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اُونٹنی بہت لاغر ہے قافلہ کے ہمراہ چلنے کی سکت نہیں رکھتی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی چھڑی سے اُس اُونٹنی چونکایا، پس چونکا لگنا تھا کہ اس کے جسم میں ایک بجلی سی دوڑگئی اور نہایت برق رفتار ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اُونٹنی تو بہت تیز چل رہی ہے۔ حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی برکت ہے۔ ورنہ وہ تو پیر گھسیٹ رہی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت جابرؓ ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہُوئے روانہ ہُوئے، راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ اُونٹنی میرے ہاتھ بیچتے ہو، اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بیچنے کا کیا سوال، یہ تو آپ کی نذر ہے حضورؐ خاموش ہوگئے اور چلتے رہے، کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر وہی بات دُہرائی اور حضرت جابرؓ نے حسب سابق بیچنے سے معذرت کی اور ہدیہ کی پیش کش کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پھر خاموش ہو گئے۔ اور چلتے رہے کچھ دیر بعد

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر وہی بات دہرائی، بار بار انکار نامناسب سمجھتے ہوئے حضرت جابر رضؓ نے فروختگی کے لیے رضامندی ظاہر فرمادی۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں یہ اُونٹنی ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم میں خریدتا ہوں، اور مدینہ منوّرہ تک سواری کی تمہیں اجازت دیتا ہوں۔

گھر پہنچ کر حضرت جابر رضؓ نے اپنے ماموں سے ذکر کیا کہ مَیں نے اُونٹنی آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ بیچ دی ہے۔ ماموں نہایت برافروختہ ہوئے اور سخت سست کہا کہ تم نے بیچی کیوں، تمہیں چاہیے تھا کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتے۔ حضرت جابر رضؓ نے تفصیلی واقعہ سُنایا کہ مَیں نے یہ پیش کش کی تھی، مگر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے منظور نہیں فرمایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جس شام مدینہ منوّرہ پہنچے اس کی صبح کو اُونٹنی لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جابر رضؓ کو اُونٹنی کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم دو، اور ایک قیراط یعنی درہم کا چھٹا حصّہ زائد دو۔ حضرت بلال رضؓ نے حکم کی تعمیل کی، حضرت جابر رضؓ اُونٹنی باندھ کر اور قیمت لے کر جانے لگے تو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو واپس بلایا اور فرمایا کہ اُونٹنی کی قیمت بھی لے جاؤ اور اُونٹنی بھی لیجاؤ اُونٹنی اَب میری طرف سے ہدیہ ہے۔

یہ واقعہ حدیث شریف کی تمام کتابوں میں موجود ہے، البتہ اس میں ایک جزء ہے جو نسائی[1] شریف میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اُونٹنی کی قیمت تو خرچ کردی مگر وہ ایک قیراط یعنی درہم کا چھٹا حصّہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بطور انعام عطا فرمایا تھا اسے تبرک سمجھ کر بٹوے میں نہایت حفاظت سے محفوظ رکھا۔

یہ تبرّک ان کے پاس تقریباً ساٹھ سال محفوظ رہا تا آنکہ ۶۳ھ میں واقعہ حرّہ پیش آیا اور اس میں وہ تبرّک ضائع ہوگیا۔ جس کا حضرت جابر رضؓ کو بہت افسوس ہوا، وہ بڑے تحسر سے فرماتے تھے کہ

---

[1] فَقَالَ لِبِلَالٍ رضؓ: یا بلال، زِنْ لَهُ أُوْقِيَةً، وَزِدْهُ قِيْرَاطاً قُلْتُ: هٰذَا شَيْئٌ زَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُفَارِقْنِيْ، فَجَعَلْتُهُ فِيْ كِيْسٍ، فَلَمْ يَزَلْ عِنْدِيْ حَتّٰى جَآءَ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ، فَأَخَذُوْا مِنَّا مَا أَخَذُوْا (نسائی شریف ص۲۲۷ ج۲)،

شاعرِ اسلام جناب سید امین گیلانی

جواں مرگ

سیّد مقصود میاں (ٹیپو) مرحوم

اے جواں مرگ ترا غم ہے پہاڑوں جیسا
خاک میں چھپ گیا چہرہ ترا پھولوں جیسا

موجزن سینے میں قرآں تھا جو دریا کی طرح
ترا اندازِ تلاوت بھی تھا جھرنوں جیسا

چاند اُبھرتا ہُوا لگتا تھا جبیں پر تیری
کیف آنکھوں میں ساون کی گھٹاؤں جیسا

تُو بھی اللہ کا بندہ تھا پر ایسا بندہ
جس کے چہرے پہ تقدس تھا فرشتوں جیسا

ترے اخلاق سے ہوتا تھا نجابت کا ظہور
ترا لہجہ بھی تھا اجداد کے لہجوں جیسا

آج کے دَور میں دیکھا بھی تو کم کم دیکھا
ایسا بیٹا کہ جو ہو ماں کی اُمیدوں جیسا

کیوں نہ روئیں تری بہنیں ترے بھائی مقصودؔ
گم ہُوا ایسا برادر جو تھا ہیروں جیسا

موت کا تیری ہر انداز ہے شاہد اِس کا
ترا انشاء اللہ رُتبہ ہے شہیدوں جیسا

مرثیہ لکھا جو سلماںؔ[1] نے ابھی ایسے لگا
مرنے والا یہ جواں تھا مِرے بیٹوں جیسا

[1] پچھلے شمارہ میں آپ کے صاحبزادے سلمان گیلانی کا مرثیہ شائع ہو چکا ہے یہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

سلیمہ بنت حامد بن محمد

ٹیپو مرحوم کی یاد

سب سے ہنس کر باتیں کرنا
مستی آتے جاتے کرنا

یاد مجھے آتا ہے تیرا
چلتے پھرتے قرآں پڑھنا

"آ کے میرا قرآں سن لے"
پھر سے یہ کلمہ تو کہنا

فرضوں میں چُپکے چُپکے رونا
ہائے، ترا اللہ سے ڈرنا

تھا تیرا مقصودِ اصلی
دین پہ جینا، دین پہ مرنا

مؤمن اور شہداء کی مانند
تیرا جینا، تیرا مرنا

بھولتی ہوں، پہ یاد آتا ہے
تیرا وہ مسجد میں گرنا

گرتے ہی تجھ کو گود میں بھر کے
محمود کا اللہ اللہ کرنا

سب کو پیچھے دھکا دے کر
موت کا تجھ پہ حملہ کرنا

لٹھے میں لپٹی سرخ کلی کو
وہ، مٹی کی گود میں بھرنا

ہم نے دیکھیں اُستادوں کی
اللہ سے فریادیں کرنا

تیری خاطر احبابوں کا
پل پل جینا پل پل مرنا

کس سے دیکھی جائے ماں کی
گہری ٹھنڈی آہیں بھرنا

اِن آنکھوں سے یاد میں تیری
موٹے موٹے آنسو گرنا

تجھ بن، بھائیوں کا سُونے گھر میں
تنہا رہنا، تنہا پھرنا

چاہا، لیکن راس نہ آیا
تجھ سنگ رہنا، تجھ سنگ پھرنا

تجھ کو بُھلانا، بھُول ہے میری
بھُول کے یاد مجھے بھی کرنا

میرے اللہ! میرے مولا!
اُسؒ پر اپنی رحمت کرنا

جو رتبہ محبوب ہو تیرا
اُسؒ کو اس رُتبے کا کرنا

سورۃ رحمٰن کو مہکا کر
خود سے اُس کی زینت کرنا

زینت دے کر، جنّت دینا
مقصورات کا دُولھا کرنا

لِکھ دے اُس کے نام کی خاطر
حُوروں کا آپس میں لڑنا

عرش کے نیچے قندیلوں میں
کر دے اُس کا، اُڑنا پھرنا

وہ پڑھتا تھا، سورۃ رحمٰن
رحماں! رحماں! رحمت کرنا

جو تھے اُس کا قرآں سُنتے
تُو ان سب کی بخشش کرنا

وفیات الاعیان

حلقۂ دیوبند کے لیے یقیناً یہ خبر انتہائی اندوہناک و غم انگیز ہے کہ مؤرخہ ۲۱ شوال ۱۴۱۵ھ کو قطب ارشاد امام ربانی حضرت اقدس مولانا گنگوہی قدس سرہ کے نبیرۂ کبیر حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود عرف حکیم ننّے میاں اپنے ہزاروں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ کر راہیٔ عالمِ جاودانی ہوگئے۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور نخبۃ العصر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے تلمیذ سعید، حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے مجازِ صحبت، بلند پایہ عالم دین اور نامور طبیب تھے۔ قوتِ حافظہ، کثرتِ مطالعہ اور استحضارِ علوم میں اپنے معاصر فضلاء میں امتیازی شان کے مالک تھے، رسمی طور پر علمی مشاغل نہ ہونے کے باوجود اہم اور دقیق و لطیف مسائل پر بے تکان اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ مخاطب حیرت و استعجاب سے دم بخود ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر حقائق و معارف اور اسرار و حکم پر اُنھیں ایسی دسترس حاصل تھی کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہٗ کے بعد اس اختصاص میں کوئی اور ان کا شریک و سہیم نظر نہیں آتا تھا۔ حضرات اکابر رحمہم اللہ کے احوال و واقعات اور آداب و اخلاق کے گویا حافظ تھے، اور اپنی مجلسوں میں بڑے مؤثر انداز میں اُن کا ذکر کرتے رہتے تھے، زبان و بیان اور تحریر و تقریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ عام طور پر جلسوں اور عمومی اجتماعات میں شرکت اور وعظ و تقریر سے بچتے تھے، لیکن اگر اتّفاق سے کسی جلسہ میں تقریر کی نوبت آجاتی تھی تو اندازِ بیان کی شگفتگی اور علمی نکات کی فراوانی سے پُورے مجمع کو بے خود بنادیتے تھے، آج سے چودہ سال پہلے ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ کو عالمی مؤتمر کے اجلاس عام دیوبند میں حکیم صاحب مرحوم و مغفور، حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کی دعوت پر شریک ہُوئے تھے اور تقریر بھی فرمائی تھی۔ بس مت پُوچھئے کہ تقریر کیا تھی؟ حقائق و معارف اور اسرار و حکم کا ٹھاٹھیں مارتا

ہوا ایک سمندر تھا جس کی موجوں کا تلاطم دلوں کی دُنیا کو زیروزبر کر رہا تھا اور مجمع کی زبان صلِّ علیٰ و مرحبا کی صدائیں بلند تھیں۔

حضرت حکیم صاحبؒ طبعی طور پر نمود و نمائش سے گریزاں اور عزلت پسند تھے، مزاج و مذاق کی اسی کیفیت کا اثر تھا کہ پوری زندگی گنگوہ کے ایک زاویہ میں گزار دی اور عقیدت مندوں کی طلب و اصرار کے باوجود سفر و سیاحت کے لیے گھر سے قدم باہر نہیں نکالا اور اپنے لیے زندگی کی جو وضع پسند کی مدت العمر اس پر قائم رہے فن طبابت میں یدطولیٰ حاصل تھا اور قدرت کی جانب سے دستِ شفا کی دولت سے بھی ہم کنار تھے۔ اس لیے اس ذریعہ سے انھیں اس قدر حاصل ہوجاتا تھا کہ کسی اور طرف نظر اُٹھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سیرت قدوسیہ، اجتماع گنگوہ، الکتاب المحمود فی خطاب ابن مسعود یعنی حضرت تھانویؒ اور حکیم صاحب کے مابین مراسلت کا مجموعہ یہ چند رسائل مرحوم کی تحریری یادگار ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے حکیم صاحب مرحوم کو گوناگوں تعلق تھا۔ دارالعلوم ان کے جد امجد حضرت گنگوہیؒ کی توجہات کا ایک طویل زمانہ تک مرکز رہ چکا تھا اور خود اُن کا مادر علمی تھا اور تقریباً پانچ چھ سال تک اس کی مجلس شوریٰ کے رُکن رکین بھی رہ چکے تھے، اس لیے اُن کی کوئی مجلس دارالعلوم کے تذکرے سے عام طور سے خالی نہیں ہوتی تھی، دارالعلوم کے طلبہ و اساتذہ اور حضرات ذمہ داران بھی حضرت حکیم صاحب سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم صاحب کی مغفرت فرمائے اور حضرات انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کے ساتھ اُن کا حشر فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبر و ضبط کی توفیق ارزانی کرے۔

(ماخوذ از ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۹۵ء)

گزشتہ دنوں مؤرخہ ۹ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ، ۹ مئی ۱۹۹۵ء بروز سہ شنبہ اسیر مالٹا حضرت مولانا سیّد عزیر گُل کاکاخیل قدس سرہ العزیز کے بڑے صاحبزادے مولانا سیّد عبدالرؤف صاحب کاکاخیل طویل علالت کے بعد وفات پاگئے۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ آپ تقریباً تین ماہ سے بہت زیادہ علیل تھے۔ ڈاکٹروں نے جگر کا سُکڑنا تجویز کیا تھا۔ علاج مسلسل ہو رہا تھا، لیکن تدبیر پر تقدیر غالب آئی اور آپ

اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ مولانا مرحوم دار العلوم دیوبند کے فاضل اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے آپ نے اور آپ کی ہمشیرہ نے اپنے والدگرامی کی علالت کے دنوں میں مثالی خدمت کی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے مرحوم کی مغفرت فرماکر بلند درجات نصیب فرمائے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین مرحوم کے پسماندگان میں ایک بیوہ تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ مرحوم نے تقریباً ستر سال عمر پائی۔

جامعہ کے شعبۂ تجوید کے اُستاد جناب قاری ادریس صاحب کی والدہ صاحبہ گزشتہ دنوں مؤرخہ ۱۶ رذی الحجہ ۱۴۱۵ھ ۱۶ رمئی ۱۹۹۵ء مختصر علالت کے بعد وفات پاگئیں مرحومہ بہت سادگی پسند اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ : سیرۃِ مُبارکہ

اُم العلاء ایک انصاری خاتون تھیں جن کے گھرانے کے حصّہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے تھے۔ وہ اپنے مہمان کی اتنی معتقد ہوگئیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ام العلاء نے بڑے وثوق سے کہا شهادتی علیك لقد اكرمك الله یعنی میں قسم کھاکر کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو بخش دیا ہے[1]۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس طرح وثوق کر لینے اور قسم کھانے کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ آپ نے تعلیم دی کہ یہ کہنا چاہیے کہ اُمّید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہوگا (بخاری شریف ص: ۱۶۶) مگر حضرت ام العلاء کا یہ وثوق اور یقین اس بناء پر تھا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی تقوای اور آپ کے اعلیٰ اخلاق نے ان کو گرویدہ اور معتقد بنا دیا تھا۔

مضامین علمیہ

رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے تیسرے ایڈیشن پر ایک نظر

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُ الواحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی نے ایک رسالہ بنام اکابر کا مسلک و مشرب ترتیب دیا تھا جس میں چند باتیں غلط طور پر اکابر دیوبند کی طرف منسوب کر دی گئی تھیں۔ ہم نے اپنے تبصرہ بنام "ہمارے اکابر کا اصل مسلک و مشرب" میں ان چند باتوں کو کھول کر بیان کیا تھا اور دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ہمارے اکابر کا وہ مسلک نہیں تھا جس کا اس رسالہ میں دعوٰی کیا گیا۔

اب اسی رسالہ کا تیسرا ایڈیشن مولانا عبد الحفیظ صاحب مکی کے مقدمہ اور مفتی حبیب اللہ صاحب کے حواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ ہمارے تبصرے میں دیے گئے دلائل سے تو ان دونوں حضرات میں سے کسی نے بھی تعرض نہیں کیا، البتہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی تائید میں چند واقعات وحوالجات نقل کیے ہیں جو دلائل کے درجے میں قطعاً نہیں ہیں۔

مناسب سمجھا گیا کہ اس ایڈیشن پر بھی اختصار کے ساتھ کچھ تبصرہ کر دیا جائے تاکہ کسی کے سامنے حق مخفی وملتبس نہ رہے اور جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں وہ حق بات کو لے کر ناحق سے محفوظ رہے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجماعی مسئلہ سے اختلاف کرنے والوں سے ہمارا کوئی تعلق

میں

سئلہ محفل میلاد

مولانا عبدالحفیظ مکّی صاحب اور مفتی جلیب اللہ صاحب مصنف رسالہ مولانا عزیزالرحمٰن صاحب
رح اس بات کو ثابت کرنے اور منوانے کے درپے ہیں کہ اکابر دیوبند بتَداعی ایسی محفلِ میلاد کے انعقاد
قائل تھے جو منکرات و قیودات سے خالی ہو۔ حالانکہ اکابرینِ دیوبند ایسی محفلِ میلاد جو تداعی کے ساتھ
اُس کے بھی قائل نہیں، البتہ ایسی محفل جو دیگر قیودات و منکرات کے ساتھ ساتھ تداعی سے بھی خالی
صرف اس کو اصلاً جائز سمجھتے ہیں۔ اصل رسالہ پر ہمارا تبصرہ جو "ہمارے اکابر کا اصل مسلک ومشرب"
نام سے "انوارِ مدینہ" کے شماروں میں شائع ہوا تھا اس میں ہم نے تفصیل سے اس بات کو بیان کیا
، لیکن حیرت ہے کہ مولانا عبدالحفیظ مکّی اور مفتی جبیب اللہ صاحبان نے اس سے کیوں صرفِ نظر کر
اور اکابر کے واضح فتاوی وارشادات کو چھوڑ کر بعض محتمل عبارات کو تائید کے طور پر لائے۔

ہم ایک مرتبہ پھر اپنے اکابرین کے چند حوالجات پیش کرتے ہیں جن سے مسئلہ کی اصل حقیقت
بارہ سامنے آجائے۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"مولو د شریف کی محفل کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا جُدا حُکم ہے۔

پہلی صورت: وہ محفل جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو، نہ قید مباح
نہ قید مکروہ سب قیود سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے ہوں کسی نے اُن کو اہتمام
کر کے نہیں بلایا یا کسی اور مباح ضرورت سے بُلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے
یا زبانی حضور پُر نور سرور عالم فخرِ بنی آدم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حالاتِ ولادت شریفہ و
دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مُبارک صحیح صحیح روایات سے بیان کر دیا گیا اور اثنائے
بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جائے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا
گیا۔ یا اصل میں اجتماع استماعِ وعظ و احکام کے لیے ہو اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ و

دوسری صورت : وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں جو کہ اپنی ذات میں بھی قبیح و معصیت ہیں مثلاً روایات موضوعہ خلاف واقعہ بیان کی جائیں ... یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جائے کہ اس قدر اہتمام نماز و جماعت و وعظ کے لیے بھی نہ ہوتا ہو... یہ وہ صورت ہے جو... شرعاً بالکل ناجائز ہے۔

تیسری صورت : وہ محفل جس میں نہ تو پہلی صورت کا سا اطلاق و بے تکلفی ہو اور نہ دوسری صورت کی طرح اس میں قیود حرام ہوں بلکہ قیود تو ہوں مگر ایسے قیود ہوں جو خود اپنی ذات میں مباح و حلال ہیں یعنی روایات بھی صحیح و معتبر ہوں... لوگوں کو بلانے اور اطلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو... ایسی محفل نہ تو پہلی محفل کی طرح علی الاطلاق جائز ہے اور نہ دوسری محفل کی طرح علی الاطلاق ناجائز ہے"۔ (ص: ۱۰۸، اصلاح الرسوم)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو، مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں"۔ (ص: ۱۰۵، فتاویٰ رشیدیہ)

مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"... ہاں ذکر مولود میں بھی گو مندوب ہے، مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں بدعت ہو دیگا"۔ (ص: ۱۵۳، براہین قاطعہ)

ان حوالجات سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ ہمارے اکابر کے نزدیک تداعی و اہتمام کے ساتھ جو محفل میلاد منعقد کیجائے وہ اگرچہ دیگر منکرات و قیودات سے خالی ہو تب بھی ناجائز اور بدعت ہے اور جو محفل میلاد علی الاطلاق جائز ہے وہ وہ محفل ہے جو دیگر منکرات کے ساتھ ساتھ تداعی و اہتمام سے بھی خالی ہو۔ لہٰذا اکابر کی عبارات میں جہاں کہیں یہ لکھا ہے کہ محفل میلاد اصلاً مباح ہے تو اس سے مراد یہی دوسری قسم کی محفل ہے۔

اب صرف اتنی بات رہ جاتی ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اصلاح الرسوم میں محفل میلاد کی جو تیسری صورت ذکر کی ہے یعنی جس میں لوگوں کو بلانے اور اطلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو تو اس کا مصداق کون سی محفل ہے؟ اس تیسری صورت کے بارے میں ہم اپنے سابقہ تبصرے میں بھی کچھ لکھ چکے ہیں

یہاں ہم دوبارہ اس صورت کے بارے میں تفصیل سے لکھتے ہیں تاکہ کسی کو مغالطہ و غلط فہمی نہ رہے کیونکہ اس وقت بعض لوگوں کا یہ خیال بنا ہُوا ہے کہ اگر اس قسم کی (یعنی میلاد، ذکر اور درود شریف کی) محفلیں تداعی کے ساتھ منعقد کی جائیں، البتہ تداعی میں اصرار نہ ہو اور دیگر منکرات سے خالی ہوں اور اُن کو سُنّت بھی خیال نہ کیا جائے تو یہ محفلیں جائز ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا مستدل مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ یہ تیسری صُورت ہو۔

اوّلاً : ہم کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اس صُورت کے جواز کے لیے جو تفصیلی قواعد و ضوابط تحریر فرماتے ہیں اُن کی روشنی میں ایسی محفل شاید پہلے کسی دور میں ممکن الوجود ہو اب یا آئندہ تو اس کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اسی لیے خود فرماتے ہیں۔

"یہ وہ محفل ہے جو نہایت احتیاط والوں میں شاید کہیں شاذ و نادر پائی جاتی ہو۔

(ص: ۱۱۳، اصلاح الرسوم)

نیز خود ہی اس سے اجتناب کرنے کا واضح حکم بھی دیتے ہیں۔

"... تو اس طرح کی محفل گو سلف صالحین سے منقول نہیں، مگر بوجہ مخالف نہ ہونے قواعد شرعیہ کے ممنوع بھی نہ کہی جائے گی۔ یہ حکم ہے صورت سوم کا باعتبار فتویٰ کے لیکن مصلحت انتظام دین کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے بھی احتیاط رکھیں کیونکہ یہ خود نہ تو ضروریات دین سے ہے نہ کسی ضرورتِ دین کا موقوف علیہ ہے اور ایک بار یہی ہیئت اجتماعیہ مباحہ مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے اور جہل روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے مرتبہ تقویٰ احتیاط ہی میں ہے　　(ص: ۱۱۹، اصلاح الرسوم)

ثانیاً : علّامہ سیوطی، ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہم اللہ جس محفلِ میلاد کے قائل تھے، ظاہر ہے کہ وہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تیسری صُورت ہو گی، لیکن خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "اس وقت بھی بعض عُلماء نے اُن کے ساتھ اختلاف کیا تھا"۔

(ص: ۱۱۹، اصلاح الرسوم)

ثالثاً : مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے تداعی میں وہ حدِ فاصل نہیں ذکر کی کہ جس سے تجاوز کیا جائے تو وہ تداعی ناجائز ہو گی اور اس کی تحدید ممکن بھی نہیں اور ابہام کے ہوتے ہُوئے عمل ممکن نہیں۔ لہٰذا

دیگر دلائل و نکات کو دیکھتے ہوئے یہاں نفسِ تداعی ہی کو ناجائز کہا جائے گا۔ چوتھے نکتہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

رابعاً : خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے بدعت و سنّت کو پہچاننے کا ایک قاعدہ کلیہ ضبط فرمایا ہے جس سے خود حضرت کے بقول تمام جزئیات کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے۔ اسی کے تحت مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مجالس میلاد مروجہ اور تیجہ، دسواں۔ چہلم وغیرہ من البدعات کہ اُن کا سبب قدیم ہے۔ مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادۃ النبویۃ ہے اور یہ سبب حضور کے زمانے میں بھی موجود تھا، لیکن حضورؐ نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کیں۔ نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے کہ منشاء اس کا موجود نہ تھا، لیکن جبکہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بدعت ہیں۔ صورۃً بھی اور معنیً بھی اور حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں۔"

(ص ۱۴۰، ۱۳۹ رمیلاد النبیؐ از افادات مولانا تھانوی رحمہ اللہ)

ان آخری تین نکات کی بناء پر مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تیسری صورت یا تو مرجوح ہے یا مرجوع عنہ ہے اور خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا اپنا عمل یہ ہے کہ اپنے وصایا میں فرماتے ہیں۔

"میرے ایصالِ ثواب کے لیے کبھی جمع نہ ہوں نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتّفاق سے بھی جمع ہو جاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جاویں اور ہر شخص منفرداً بطورِ خود جس کا دل چاہے دعا و صدقہ و عباداتِ نافلہ سے نفع پہنچاوے۔"

(اشرف السوانح ص ۱۲۹ ج ۳)

البتہ ایک شکل ایسی ہے جو مولانا رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تیسری صورت کا شاید مصداق بن سکے اس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھئے کہ اذان تداعی کی شکل ہے کہ لوگوں کو مسجد میں آنے کے لیے بلایا جاتا ہے

جبکہ اقامت میں تداعی نہیں ہے، بلکہ مسجد میں موجود لوگوں کو فقط اطلاع دینا ہے کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ تو ایسے ہی اگر کوئی ایسی جگہ جو ایک اکائی سمجھی جاتی ہو۔ مثلاً مسجد وغیرہ کہ جس میں افراد مختلف کونوں میں موجود ہوں اُن کو اسی مکان کے کسی ایک حصّہ میں اکٹھا ہونے کا کہنا حقیقتہً تداعی نہ ہوگا، اگرچہ بظاہر تداعی خیال کیا جائے، لیکن اس اجتماع کا بھی حکم یہ ہے کہ اگر اندیشہ ہو کہ لوگ اس کو اپنی ناجائز محافل کے لیے حجت و دلیل بنالیں گے تو پھر اس سے بھی اجتناب ضروری ہے اس اصل اُصول کو سمجھنے کے بعد اب اکابرین کی ان عبارات پر نظر ڈال لیجیے جو مولانا عبدالحفیظ مکّی صاحب اور مفتی حبیب اللہ صاحب نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔

(۱) مفتی حبیب اللہ صاحب مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

"اب رہے تین مسئلے۔ مسئلہ قیود مجلس مولود اور قیود ایصالِ ثواب اور عرس بزرگان کا کرنا تو اس میں وہ خود لکھتے ہیں کہ دراصل مباح ہیں۔ اگر ان کو سنّت و ضروری جانے تو بدعت اور تعدی حدود اللہ اور گناہ ہے اور اس کے بدوں کرنے میں اباحت لکھتے ہیں اور ہم لوگ جو منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ اُن کو رسوم اہل زمانہ سے خبر نہیں کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری جانتے ہیں لہٰذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں اور ہم لوگوں کو عادتِ عوام سے محقق ہوگیا کہ یہ لوگ ضروری اور سنّت جانتے ہیں۔ لہٰذا ہم بدعت کہتے ہیں۔ پس فی الحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوتی۔ (ص۳۳ رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب")

اس حوالہ میں محفل میلاد کا ذکر نہیں بلکہ مجلس مولود کا قیود کا ذکر ہے جن کو دراصل مباح کہا ہے وہ قیود مجلس ہیں۔ اسی لیے آگے عبارت میں یہ ہے۔ "ان کو رسوم اہلِ زمانہ سے خبر نہیں کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری جانتے ہیں لہٰذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں"۔

(۲) مفتی حبیب اللہ صاحب نے رسالہ کے ص۳۴ کے حاشیہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مکتوب نقل کیا۔

"صاحب براہینِ قاطعہ نے نفس میلاد کو بدعت ضلالہ نہیں کہا۔ قیودات زائدہ محرمہ مکروہہ کہا ہے"۔

اس مکتوب گرامی میں محفل میلاد کا ذکر ہی نہیں اور نفس میلاد سے اگر نفس محفل مراد لیں

تو ہم اس بارے میں صاحب براہینِ قاطعہ کی اپنی عبارت اُوپر پیش کر چکے ہیں جس میں ـــــــ ذکرِ مولود کے لیے تداعی و اہتمام کو بدعت کہا ہے۔

(۳) مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب رسالہ پر اپنے مقدمہ میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی بات نقل کرتے ہیں

"ان احادیث و آثار کی بنا پر فقہا حنفیہؒ کا مسلک ایسے معاملات میں یہی ہے کہ جو امر اپنی ذات میں مستحب ہو، مگر مقصود شرعی نہ ہو اگر اس میں منکرات و بدعات شامل ہو جائیں یا شامل ہونے کا خطرہ قوی ہو تو ایسے مستحبات کو سرے سے ترک کر دیا جائے لیکن جو امر مستحب مقاصدِ شرعیہ میں سے ہو یا اس پر کوئی مقصد شرعی موقوف ہو تو اُس کو شمول منکرات کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے بلکہ ازالہ منکرات کی کوشش کرنا چاہیے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسی مسلک حنفی کے پابند تھے۔ اس لیے مروجہ محفل میلاد جو بہت سے منکرات و بدعات پر مشتمل ہو گئی ہے اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کچھ زمانہ تک اس مسئلہ میں حضرت گنگوہی سے بھی میرا اختلاف رہا، مگر بالآخر دلائل کی قوت اور دین کی حفاظت کے پیشِ نظر یہی مسلک احوط و اسلم نظر آیا۔ اسی کو اختیار کر لیا، لیکن جو مسلک صوفیائے کرام نے اختیار فرمایا ہے میں اس کو بھی بے اصل نہیں جانتا۔ فقہائے مجتہدین سے حضرات شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(ص۱۷ رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" تیسرا ایڈیشن)

ہم کہتے ہیں کہ ہمارے دَور میں مروجہ محافل میلاد جبکہ منکرات و قیودات محرمہ و مکروہہ پر مشتمل ہیں تو مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق اور فقہ حنفی کے مطابق بھی محافل میلاد کو سرے سے ترک کرنا ضروری ہے خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہوں۔ اس لیے ان حضرات کے لیے بھی محافل میلاد کے عقد سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر یہ حضرات اکابر دیوبند کے اصل مسلک اور حنفی مسلک سے روگردانی کرتے ہوئے اپنے لیے کسی اور مسلک میں مصلحت دیکھتے ہیں تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، لیکن اکابر کی طرف غلط مسلک کے انتساب کو تو کسی طور سے جائز نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب رسالہ کے ص۱۷ پر ایک حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

"اکابر حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی قدس سرہما کے نزدیک اصلاً محفل میلاد کا انعقاد

مستحب اور موجب خیر وسعادت ہے۔ یہی بات المہند اور دیگر مقامات پر اکابر سے صراحتاً منقول ہے۔"

المہند میں ہے۔

پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہو تو حاشا ہم یوں کہیں کہ ذکرِ ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے (ص۶۲ اکابر کا مسلک و مشرب تیسرا ایڈیشن)

ہم کہتے ہیں کہ جو محفل اور مجلس میلاد مستحب ہے وہ وہ محفل ہے جو منکرات کے ساتھ ساتھ تداعی سے بھی خالی ہو کما مر غیر مرۃ

⑤ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مفتی حبیب اللہ صاحب نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ سے متعلق محفلِ میلاد کے بارے میں جو واقعات وارشادات نقل کیے ہیں ان کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ

یہ روایات خبر واحد کے درجے میں ہیں اور مذکورہ قواعد کے مخالف ہونے کے باعث مُاَوّل ہیں یا ناقابلِ التفات ہیں۔

دوسری فصل:

رسالہ" اکابر کا مسلک و مشرب" کے مرتّب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے اس رسالہ میں اس قسم کے کلمات" اہل السنّت والجماعت کے دو گروہ جن میں فی الحقیقت اصلا کوئی بُنیادی اختلاف نہیں ہے۔" (ص۴۳ تیسرا ایڈیشن)

لکھ کر یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ احمد رضا خان بریلوی کے منتسبین بھی اہلِ سُنّت میں شامل ہیں ہم نے اپنے تبصرے میں واضح کیا تھا کہ احمد رضا خان صاحب کے بعض عقائد مثلاً نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے علم غیب اور علم ما کان وما یکون کو ماننا اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مختار کل ماننا یہ اہلِ سُنّت کے مخالف عقائد ہیں اور اس بارے میں ہم نے اکابر دیوبند کے فتاوٰی بھی درج کیے تھے۔ اُن کو دوبارہ ملاحظہ فرما لیا جائے۔

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے اس رسالہ کے پہلے ایڈیشن میں صرف مولانا یوسف لدھیانوی مدظلہ کی ایک عبارت نقل کی تھی، لیکن جدید ایڈیشن میں انھوں نے حضرت مولانا قاری طیّب صاحب رحمہ اللہ کا

ایک مکتوب بھی اپنی تائید کے لیے شاملِ اشاعت کیا ہے اور مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب نے اپنے مقدمہ میں مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی مدظلہ کے ایک جواب، کو بطور تائید کے ذکر کیا ہے کہ جب ایک صاحب نے پُوچھا کہ حضرت یہ دیوبندی بریلوی اختلاف کی کیا حقیقت ہے تو حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ جیسے حنفی شافعی

ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کے یہ دعاوی ہیں جو محتاجِ دلیل ہیں ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم ان دعاوی کو تسلیم نہ کریں اور دلیل کا مطالبہ کریں۔ علاوہ ازیں ان حضرات کے یہ اقوال محتمل بھی ہیں کہ طبقہ بریلویہ کے عوام النّاس مُراد ہوں جو احمد رضا خاں اور ان کے عقائد سے باخبر نہیں ہیں۔

لیکن رسالہ والے حضرات احمد رضا خان اور اُن کے ہم عقیدوں کو بھی اہلِ سُنّت میں شمار کرنے پر مصر ہیں۔ تو جب تک وہ دلائل سے اُن کا اہلِ سُنّت ہونا ثابت نہیں کرتے اُن کے دعوے بے بنیاد ہیں اور عبارات یہ اپنی تائید میں لا رہے ہیں وہ بھی اُن کو کچھ مفید نہیں۔

تیسری فصل:

نقشہ نعل مُبارک رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے نقشہ نعل مُبارک کا عنوان باندھ کر اس سے توسل و استبراک کی مسلمانوں کو تلقین و ترغیب دی اور اس کے لیے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی عبارات بھی پیش کیں۔

ہم نے اپنے سابقہ تبصرہ میں ذکر کیا تھا کہ بعض دیگر حضرات مثلاً مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ نیل الشفاء سے واضح طور پر رجوع فرما لیا تھا اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے اس رجوع کا مطلب جو مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے بیان کیا تھا اس کو بھی نقل کر دیا تھا جس کے بعد اب اس کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ کوئی نقشہ نعل مبارک سے استبراک و توسل کی عام ترغیب دے اور تشہیر و اشاعت کی تلقین کرے۔

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے اس رسالہ پر مفتی حبیب اللہ صاحب اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"بعض حضرات اشکال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس رسالہ (یعنی نیل الشفاء) سے رجوع فرما لیا تھا۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ان قیود آت پر جو حضرت تھانویؒ نے اس رسالہ میں نقل فرمائی تھیں، اندیشہ ظاہر فرمایا تھا کہ ان کی وجہ سے عوام کا عقیدہ

خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا حضرت تھانوی قدس سرہ نے ان قیودات کے بارے میں کچھ اصلاحات اور تنبیہات فرما دی تھیں۔ یہ خط و کتابت "زاد السعید" کے آخر میں مطبوع ہے اس کو ہر شخص پڑھ سکتا ہے

چنانچہ حضرت تھانوی رح نے زاد السعید کے متعلق خط و کتابت اور تنبیہات فرما دینے کے بعد جب رسالہ مبارکہ "نشر الطیب" تصنیف فرمایا تو اس میں بھی نعل شریف کی برکات تحریر فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "رسالہ نیل الشفاء مؤلفہ احقر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کی برکات اور خواص مذکور ہیں۔ (ص۶۶ اکابر کا مسلک و مشرب تیسری اشاعت)

حیرت ہے کہ مفتی جبیب اللہ صاحب نے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے رجوع سے کیوں صرف نظر فرمالیا۔ ہم اپنی تحریر کا متعلقہ حصہ دوبارہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس لیے مناظرانہ کلام کو بند کرکے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا، چنانچہ مکتوبات جبر کے حصہ سوم بابت ۳۳ کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے، مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا، لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد ہوگیا پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاقِ اھواء سے جس سے میرا ذہن خالی تھا۔ مصالحہ دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلیٰ مَالَا یُرِیْبُکَ (الحدیث) اپنے رسالہ نیل الشفاء سے رجوع کرتا ہوں اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہوگیا ہو اس سے استغفار . . . کرتا ہوں۔"

اور مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اس رجوع کا مطلب اور حقیقت یہ بتائی ہے کہ یہ رجوع استبراک و توسل اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے تھا۔ فرماتے ہیں۔

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالہ نیل الشفاء سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ نیل الشفاء سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی مسلمانوں کو تلقین و ترغیب اور نقشہ کی تشہیر و اشاعت کی تحریض مقصود ہے۔ اب حضرت مولانا دام فیضہم نے عوام کے تجاوز عن الحد اور غلو کو مدنظر رکھ کر استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع فرمالیا ہے۔ . . . (ص۶۹، ج ۲، کفایت المفتی)

دیکھئے مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی وضاحت کی روشنی میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا اپنے رسالہ نیل الشفاء سے استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع کتنا کھلا اور واضح ہے

چونکہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رسالہ اکابر کا مسلک و مشرب میں نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی ترغیب عوام کو دے رہے تھے اس لیے ہم نے پوری بات لکھ کر ان کو اس طرف توجہ دلائی تھی لیکن اب مفتی حبیب اللہ صاحب اس سب کو نظر انداز کر کے یہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بس رسالہ نیل الشفاء میں کچھ اصلاحات اور تنبیہات فرمادی تھیں۔ اس طرح سے وہ بھی نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی عوام کو ترغیب دینے میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے شریک کار بنتے ہیں تو ان کی مرضی لیکن ان کا یہ عمل مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تعلیم و عمل کے بالکل برعکس ہے۔

چونکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا رجوع نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے تھا۔ لہذا مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا بعد میں اپنے رسالہ نشر الطیب میں فقط یہ ذکر کرنا کہ اور رسالہ نیل الشفاء مؤلفہ احقر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کے برکات و خواص مذکور ہیں۔ ہماری بات کے منافی نہیں۔ کیونکہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اس کے برکات و خواص کے قول سے بھی رجوع کر لیا تھا۔ فقط۔

بقیہ: طب اور اسلام

افسوس جس تبرک کو ساٹھ سال تک نہایت احتیاط سے رکھا وہ اس بلوے کی نذر ہو گیا۔ اس واقعہ سے آپ تبرک اور انعام کی اہمیت سمجھ سکتے ہیں کہ انعام اگرچہ تھوڑا ہوتا ہے مگر بہت قیمتی ہوتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنی دامت برکاتہم نے مدینہ طیبہ سے ایک استفتاء اور اپنے قلم سے لکھا ہوا اس کا جواب نیز ایک اپیل حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذہ و خلفاء کے نام بغرضِ اشاعت ارسال فرمائی ہے۔ حضرت کے شکریہ کے ساتھ دونوں کو شائع کیا جا رہا ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین (دیوبند) اس بارے میں کہ حضرات اکابرینِ دیوبند کا جماعت بریلویہ سے جو اَب تک اختلاف رہا ہے، یہ اختلاف فروعی ہے یا اُصولی وعقائد کا اختلاف ہے اور جو بدعات بریلویوں نے اختیار کر رکھی ہیں۔ مثلاً تیجہ، بیسواں، چالیسواں، برسی، قبروں پر سالانہ عُرس، میلاد کا قیام، اجتماعی سلام وغیرہ ان اُمور کی اکابر دیوبند خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا شیخ الاسلام سیّد حسین احمد مدنیؒ اور اُن کے خلفاء وتلامذہ نے جو شدّت سے اُن کی تردید کی تھی کیا موجودہ علماء دیوبند اس پر قائم ہیں یا اس میں کچھ خفت آگئی ہے؟ اور کیا جماعت بریلویہ کو کسی بھی اعتبار سے اہلِ سُنّت والجماعت میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

کیا ان لوگوں کا مذہب حضراتِ اشاعرہ اور حضراتِ ماتریدیہ کے موافق ہے؟

بعض ایسے لوگ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب کے مدعی ہیں۔ انھوں نے یوں کہنا شروع کیا ہے کہ اکابر دیوبند جو بدعات سے منع فرماتے تھے وہ سَدًّا لِلْبَاب تھا اور عارضی طور پر اُن سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے اور یہ کہ مصلحتوں کی بناء پر ان بدعات کو اختیار کر لینا چاہیے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی موجودہ حضرات علماء دیوبند نے بریلویوں کی بدعات کی مخالفت میں کچھ ہلکا پن اختیار کر لیا ہے؟

اور کیا مصلحتاً ہلکا ہو جانا مناسب ہے؟

اور کیا حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کچے دیوبندی تھے؟ ان کے اکابر نے جو سوچ سمجھ کر

بدعاتِ بریلویہ کا سختی سے مقابلہ کیا تھا کیا یہ شیخ الحدیثؒ کو گوارہ نہیں تھا۔ ان سے انتساب رکھنے والے جو بعض لوگ بریلویوں کی بدعات "جیسا کہ حال ہی میں ایک پاکستانی صاحب نے (اکابر کا مسلک و مشرب) کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے۔" والے اعمال کو مصلحت کے نام سے اختیار کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی رائے کا کیا وزن ہے؟ کیا ان لوگوں کے انتساب سے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی شخصیت پر حرف نہیں آرہا ہے۔

بینوا توجروا

السائل

اسماعیل بِدات

الجواب حامدا و مصلیا

حضرات علماء دیوبند جن کے اسمائے گرامی سوال میں مذکور ہیں اور اُنکے تلامذہ اور خلفاء پکے متبع سُنّت تھے۔ اور ہر ایسی چیز کی شدّت کے ساتھ مخالف تھے جو شرعی اُصول کے مطابق بدعت کے دائرہ میں آتی ہو۔ چونکہ حسبِ فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ہر بدعت گمراہی ہے اسلئے اس گمراہی سے اُمت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی چھوٹی بڑی کتابیں معروف و مشہور ہیں اور اُن کے تردیدی مضامین اور فتاوٰی، فتاوٰی رشیدیہ اور البراہین القاطعہ اور المہند علی المفند اور الشہاب الثاقب اور امداد الفتاوٰی اور اصلاح الرسوم میں موجود ہیں انھوں نے سوچ سمجھ کر اپنی عالمانہ ذمّہ داری کو سامنے رکھ کر خُوب کھل کر نہ صرف بریلویوں کی بدعات کی تردید کی بلکہ ہر اس بدعت کی (اعتقادی ہو یا عملی) جس کا کسی بھی علاقہ میں علم ہُوا سختی سے تردید فرمائی اُن کی یہ تردید عارضی نہیں تھی۔ بدعت کبھی بھی سُنّت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کی تردید بھی عارضی نہیں ہو سکتی اور اس کی تردید میں ہلکا پن اختیار کرنے کی شرعًا کوئی اجازت نہیں۔ حضرات اکابر دیوبند نے جو بدعت کی تردید کی اور اس بارے میں جو مضبوطی کے ساتھ اہلِ بدعت کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا ان کی اس محنت اور کوشش سے کروڑوں افراد نے بدعتوں سے توبہ کی اور سُنتوں کے گرویدہ ہُوئے۔

آج اگر کوئی شخص یُوں کہتا ہے کہ اب بدعتوں کی تردید میں سختی نہ کرنی چاہیے یا مصلحتًا ان کو کسی تاویل سے اپنا لینا چاہیے۔ ایسا شخص دیوبندی نہیں ہے اگرچہ اکابر دیوبند سے متعلق ہونے کا مدعی ہو۔

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

مولانا محمد اسماعیل بدات خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مولانا عاشق الٰہی مدنی مدظلہ العالی کی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے تلامذہ و خلفاء کے نام

اپیل

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ نے اپنے سینکڑوں شاگرد چھوڑے ہیں جنھوں نے آپ سے ہی سنن ابوداؤد شریف اور بخاری شریف پڑھی ہیں اور سو کے قریب اپنے خلفاء بھی چھوڑے ہیں جو خلفاء فی الطریقہ تھے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرات اکابر دیوبند اصحاب شریعت بھی تھے اور اہلِ طریقت بھی، لیکن انھوں نے ہمیشہ شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا اور طریقت کو صوفیہ کی مروّجہ بدعات سے پاک اور صاف کردیا۔ جو بھی کوئی شخص بدعات کا داعی کھڑا ہوا اُنھوں نے اس کی بڑی شدومد کے ساتھ تردید کی اور ہر طرح کی بدعات کا قلع قمع کیا۔ یہ بدعات رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی محبّت کے عنوان سے تھیں جن میں میلاد شریف وغیرہ کی تواریخ کی تخصیص اور اس میں قیام کا التزام بھی تھا اور ایصالِ ثواب کے عنوان سے جو فاتحہ کا رواج تھا جس کا کوئی شرعی ثبوت نہ تھا۔ ان حضرات نے ان کا بدعت ہونا بھی واضح فرمایا۔

اب چار پانچ سال پہلے ایک صاحب نے بنام ”اکابر کا مسلک و مشرب“ کے عنوان سے ایک رسالہ شائع کیا ہے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی خلافت کے مدعی ہے اس میں انھوں نے ادخال البریلویۃ فی الدیوبندیۃ کا کام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بریلوی دیوبندی دونوں اہل سُنّت ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرات اکابر دیوبند نے جو بدعات کی تردید کی تھی وہ سدّاً للذریعۃ تھی اور وقتی طور پر تھی۔ اس رسالہ میں اُنھوں نے کوشش کی ہے کہ دیوبندی مسامحت اور مساہلت اختیار کریں اور بدعتوں کے اپنانے پر شدت نہ کریں اور جو شخص ان بدعتوں کو اختیار کرے محبّت نبویؐ کے پیشِ نظر ان کو برداشت کرلیا جائے۔

ان لوگوں کی ان باتوں کی بعض حضرات نے تردید تو کی ہے اور بعض رسائل میں اُن کے خلاف مضامین

بھی آتے ہیں لیکن جس شان سے تحریر و تقریر کے ذریعہ ان کی تردید کرنا لازم تھا۔ خاص کر حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے خلفاء اور تلامذہ کو اس کے بارے میں ہمّت اور جرأت کی ضرورت تھی اب تک اس کا مظاہرہ نہیں ہُوا ڈر ہے کہ ان حضرات کی خاموشی ان لوگوں کی تائید کا بہانہ نہ بن جائے جو بریلویۃ کو دیوبندیت میں داخل کرنے کی مہم لے کر چلے ہیں۔ اس موقعہ پر مسامحت، مداہنت کی حد تک پہنچ گئی ہے بدعتوں نے جو رواج پایا ہے زیادہ تر اس کا سبب یہی ہُوا ہے کہ علماء کرام تعلقات کی وجہ سے یا تاویلات کر کے یا اہلِ بدعت کو مخلص سمجھ کر خاموشی اختیار کر گئے پھر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو پھر بند نہ باندھ سکے۔ عرسوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان حضرات کی اسی ابتدائی مسامحت اور مداہنت کا نتیجہ ہے جنھوں نے یہ کہہ کر اغماض کر لیا کہ چلو کیا حرج ہے۔ مریدین ایصالِ ثواب کے لیے ہی تو جمع ہوتے ہیں آگے جو کچھ ہو نظروں کے سامنے ہے۔

رسالہ مذکورہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہما کی طرف بعض ایسی باتوں کا انتساب کیا ہے جن سے بدعات کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے تلامذہ اور خلفا سے درخواست ہے کہ بحکم فاصدع بما تؤمر بلاخوف لومۃ لائم رسالہ مذکورہ کی تردید کریں اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی ذاتِ گرامی کو بدعتوں کی اجازت دینے یا اُن پر سکوت اور نرمی اختیار کرنے کی تہمت سے بچائیں۔

محمد اسماعیل عفا اللہ — محمد عبدالرحمٰن الحسن الہی مدینہ منورہ عفا اللہ — براست

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اِسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔
★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنایئے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔
ماہنامہ انوار مدینہ لاہور

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اللہ دیکھ رہا ہے

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۳۹/۱۸۲۲ء) فرماتے ہیں کہ

"مَیں جس زمانے میں دہلی کہنہ میں رہتا تھا ـــــ کوچہ انبیاء میں ایک سیّد کے گھر ایک پوربی باندی رہتی تھی جو بالکل جاہلہ تھی اور نماز کی بھی پابند نہ تھی چونکہ وہ عمر رسیدہ ہو گئی تھی اور گھر کے تمام صاحبزادوں پر اپنا حق رکھتی تھی۔ اس لیے وہ لوگ اس کی بڑی خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے۔ جب اس کا آخری وقت ہُوا تو وہ ایک آواز پوربی لہجے میں بلند کرتی تھی جس کا مطلب، مفہوم کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ حکماء و صلحاء کو بلا کر دریافت کیا گیا کچھ نہ معلوم ہُوا۔ آخر میرے چچا شاہ اہل اللہ رح کے بلانے کی نوبت آئی۔ وہ تشریف لے گئے اُنھوں نے معلوم کر لیا کہ اس کی زبان سے لَا تَخَافِیْ۔ لَا تَحْزَنِیْ (اے عورت مت خوف کر مت غمگین ہو) نکل رہا ہے، چچا صاحب نے اس کے تیمار داروں سے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ یہ الفاظ کس وجہ سے کہہ رہی ہے۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے جواب دیا کہ ایک جماعت (فرشتوں کی) آئی ہوئی ہے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں (جو میری زبان پہ آ گئے۔) پھر آپ نے دریافت کرایا کہ کیا تو ان الفاظ کا مطلب سمجھ رہی ہے؟ اس نے کہا مجھے تو بس اتنا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ جماعت مجھے تسلّی دے رہی ہے۔ پھر چچا صاحب نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کس عمل کی وجہ سے یہ تسلّی دی جا رہی ہے؟ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں کہ تیرے پاس اور اعمالِ خیر تو نہیں ہیں، البتّہ تو ایک دن موسم گرما میں گھی لینے کے لیے بازار گئی تھی جب تو نے گھی لا کر گھر میں جوش دیا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا۔ اوّل تُو نے چاہا

کہ اس روپے کو چھپکے سے اپنے پاس رکھ لے، اپنے کام میں لائے اس لیے کہ کسی کو اس راز کی خبر نہ تھی، پھر یہ خیال کر کے کہ حق تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے تو نے وہ روپیہ دکاندار کو لوٹا دیا۔ تیرا یہ عمل اللہ کے یہاں پسند ہوا، اسی کی وجہ سے ہم تجھ کو بشارت دے رہے ہیں۔"[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نانی محترمہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلمؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں رات کی تاریکی میں گشت فرما رہے تھے۔ مَیں بھی ساتھ تھا۔ آپ جب گشت لگاتے لگاتے تھک گئے تو ایک دیوار کے کنارے بیٹھ گئے۔ اچانک گھر سے آواز آئی کوئی عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے۔ "بیٹی اُٹھ دُودھ میں پانی ملا دے"۔ بیٹی کہتی ہے اماں آپ کو امیر المؤمنین کا حکم معلوم نہیں؟ ماں بولی ! امیر المؤمنین نے کیا حکم دیا ہے؟ بیٹی نے کہا کہ امیر المؤمنین نے حکم دیا ہے کہ دُودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں بولی تو پانی ملا دے تجھے کونسا امیر المؤمنین اس وقت دیکھ رہے ہیں؟ بیٹی بولی! نہیں اماں ایسا نہیں ہو سکتا کہ مَیں لوگوں کے سامنے تو امیر المؤمنین کی اطاعت کروں اور خلوت میں اُن کی نافرمانی کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ماں بیٹی کی یہ باتیں سُن رہے تھے، غلام سے فرمایا، اسلم! اس دروازے پر نشان لگا دو اور اس جگہ کو یاد رکھو۔ صُبح ہوئی تو آپ نے اسلم سے کہا کہ اسلم جاؤ دیکھ کر آؤ یہ باتیں کرنے والی عورتیں کون تھیں اور آیا اُن کے شوہر ہیں یا نہیں؟ حضرت اسلمؓ فرماتے ہیں۔ مَیں نے اس جگہ آکر معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ دُودھ میں پانی ملانے کا مشورہ دینے والی عورت ماں ہے اور منع کرنے والی بیٹی ہے۔ جو غیر شادی شُدہ ہے اور گھر میں مرد کوئی نہیں ہے۔ یہ معلومات حاصل کر کے میں نے امیر المؤمنین کو اطّلاع دی، آپ نے اپنے صاحبزادوں کو جمع کیا اور فرمایا تم میں سے کسی کو شادی کی ضرورت ہو تو بتلائے مَیں اس کی شادی اس لڑکی سے کیے دیتا ہوں، اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو مَیں خود اس لڑکی سے نکاح کرتا، حضرت عبداللہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ دونوں نے عرض کیا کہ ہماری تو پہلے ہی بیویاں موجود ہیں مزید کی ضرورت نہیں حضرت عاصمؓ بولے ابّا جان میری شادی نہیں ہوئی اس لیے اس سے میری شادی کر دیں، چنانچہ آپ نے اپنے صاحبزادے عاصمؓ کی شادی اس لڑکی سے کر دی، اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایک بیٹی عطا کی اس بیٹی سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔[2]

---

[1] ماہنامہ دار العلوم ج ۸۰ ش ۲ ص ۳۰ [2] صفة الصفوة ج ۲ ص ۱۱۳

اس لحاظ سے وہ لڑکی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی نانی ہوئی، حضرت عاصمؓ نانا ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پرنانا ہوتے۔

حضرت میمونہ سوداء رحمہا اللہ

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الواحدؒ بن زید رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے متواتر تین رات یہ دُعا مانگی کہ "اے اللہ مجھ کو جنّت کی رفیقہ حیات دکھادے"۔ فرماتے ہیں ایک روز رات کو خواب میں کسی نے کہا کہ میمونہ سوداء تمہاری جنّت کی رفیقہ حیات ہے۔ مَیں نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ کہنے والے نے جواب دیا کہ کوفہ میں فلاں قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت عبد الواحد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خواب دیکھ کر مَیں کوفہ پہنچا اور لوگوں سے اس کے بارے میں پُوچھا، لوگوں نے بتلایا کہ وہ تو ایک دیوانی عورت ہے اور ہماری کچھ بکریاں چراتی رہتی ہے، مَیں نے کہا مَیں اسے دیکھنا چاہتا ہُوں۔ لوگوں نے کہا کہ جنگل چلے جاؤ چنانچہ میں اس کی تلاش میں جنگل پہنچ گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ نماز پڑھ رہی ہے، سامنے عصا پڑا ہے خود اس نے اُون کا جبہ پہنا ہُوا ہے جس پر لکھا ہُوا ہے "لَا تُبَاعُ وَلَا تُشْتَرٰی" نہ یہ بیچا جاتا ہے نہ خریدا جاتا ہے، اور اس کی بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ پھر رہی ہیں نہ تو بھیڑیے بکریوں کو کھاتے ہیں نہ بکریاں بھیڑیوں سے خوفزدہ ہوتی ہیں۔ جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اس نے نماز مختصر کر دی اور کہا "ابن زید واپس جاؤ ابھی وقت نہیں آیا ہے" مَیں نے اس سے کہا خُدا تجھ پر رحم کرے تجھے کس نے بتلادیا کہ مَیں "اُبن زید" ہوں وہ بولی کیا تمہیں پتہ نہیں کہ رُوحیں اللہ کا لشکر ہیں جو ایک جگہ اکٹھی ہیں ان میں سے جن میں وہاں تعارف ہو جاتا ہے وہ یہاں بھی ایک دوسرے سے محبّت کرتی ہیں اور جن میں وہاں تعارف نہیں ہوتا وہ یہاں بھی الگ تھلگ رہتی ہیں، مَیں نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کر کہنے لگی اس واعظ پر تعجّب ہے جسے نصیحت کی ضرورت ہو، "مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی کوئی چیز عطا کی وہ پھر بھی اس کی طلب میں رہا تو اللہ تعالیٰ اُس سے اپنی خلوت کی چاہت سلب فرما لیتے ہیں، قُرب کو بُعد سے بدل دیتے ہیں اور انس کے بجائے وحشت اس کے دل میں بٹھا دیتے ہیں"۔ پھر اس نے چند عبرت ناک اشعار پڑھے مَیں نے کہا کہ مَیں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ بھیڑیے بکریوں کے ساتھ پھر رہے ہیں نہ تو بکریاں

ا آپ حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے پوتے، حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ کے خلیفہ اور حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے شیخ تھے۔

بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں اور نہ ہی بھیڑیے، بکریوں کو کھاتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ جاؤ ایسی باتیں مت کرو۔ میں نے چونکہ اپنے اور مولائے کریم کے درمیان معاملہ دُرست رکھا ہوا ہے اس لیے اس نے بھیڑیے اور بکریوں میں موافقت پیدا فرما دی ہے۔[1]

غمِ آخرت حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) مفتی عزیز الرحمن[2] رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"غمِ آخرت کا قلب پر تسلط یہ تھا کہ "جلالین" شریف کے درس میں ایک دن خود ہی یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ "میں ایک شب سونے کے لیے لیٹا تو اچانک قلب میں یہ اِشکال وارد ہُوا کہ قرآنِ کریم نے تو یہ دعوٰی فرمایا ہے کہ

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى انسان کے کام اسی کی سعی آئے گی۔

جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخرت میں کسی کے لیے غیر کی سعی کارآمد نہ ہو گی اور حدیثِ نبوی میں ایصالِ ثواب کی ترغیب آئی ہے جس سے تخفیفِ عذاب، رفعِ عقاب اور ترقیِ درجات کی صُورتیں ممکن بتلائی گئی ہیں۔ نیز شفاعتِ انبیاء وصلحاء شفاعتِ حفاظ وشہداء سے رفعِ عذاب اور نجات اور ترقیِ درجات کا وعدہ دیا گیا ہے، جس سے صاف نمایاں ہے کہ آخرت میں غیر کی سعی بھی کارآمد ہوگی۔ پس یہ آیت وروایت میں کُھلا تعارض ہے فرمایا کہ اس کا حل سوچتا رہا، مگر ذہن میں نہ آیا۔ بالآخر سوچتے سوچتے یہ خوف قلب پر طاری ہُوا کہ جب آیت وروایت میں یہ تعارض ذہن میں جاگزیں ہے اور حل ذہن میں نہیں ہے تو گویا اس آیت پر میرا ایمان سُست اور مضمحل ہے اور اگر اس حالت میں موت آگئی تو میں قرآن کی ایک آیت میں خلجان اور ریب کی سی کیفیت لے کر جاؤں گا اور ایسی حالت کے ساتھ حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا کہ قرآن کے ایک حصّہ پر میرا ایمان سُست اور مضمحل ہوگا تو میرا انجام کیا ہوگا؟ اور کیا اس خاتمہ کو حسنِ خاتمہ کہا جا سکے گا؟

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص۱۲۱ روض الریاحین فی حکایات الصالحین ص۲۷۔

[2] آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے باضابطہ مفتی تھے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں آپ کا انتقال ہُوا۔

اس دھیان کے آتے ہی فکرِ آخرت اس شدّت سے دامن گیر ہُوا کہ میں اسی چارپائی سے اُٹھ کھڑا ہُوا، اور سیدھے گنگوہ کی راہ لی۔ مقصد یہ تھا کہ راتوں رات گنگوہ پہنچ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اشکال حل کروں کہ میرا ایمان صحیح ہو، اور حسنِ خاتمہ کی توقع بندھے حالانکہ آپ پیدل چلنے کے عادی نہ تھے اور وہ بھی گنگوہ جیسے لمبے سفر کے جو دیوبند سے بائیس کوس کے فاصلہ پر ہے، یعنی تقریباً تینس ۳۳ میل اور وہ بھی رات کے وقت لیکن جبکہ خوفِ آخرت نفس کا حال بن چکا تھا تو اس میں وساوس کی کہاں گنجائش تھی۔ اس جذبہ سے عزم پیدا ہُوا اور اسی عزمِ صادق سے اتنا لمبا سفر کرنے کے لیے اندھیری رات میں پیدل ہی چل کھڑے ہُوئے، صُبح صادق سے پہلے گنگوہ پہنچے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ تہجد کے لیے وضو فرمارہے تھے کہ حضرت مفتی اعظم نے سلام کیا۔ فرمایا کہ کون؟ عرض کیا کہ عزیز الرحمٰن۔ فرمایا تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا کہ حضرت ایک علمی اشکال لے کر حاضر ہُوا ہُوں جس میں مُبتلا ہُوں اور وہ یہ کہ "قرآن تو نفعِ آخرت کو صرف اپنی ذاتی سعی میں منحصر بتلا رہا ہے جس سے غیر کی سعی کے نافع ہونے کی نفی نکل رہی ہے اور حدیث غیر کی سعی کو نافع اور مؤثّر بتلا رہی ہے۔ جس میں نفعِ آخرت ذاتی سعی میں منحصر نہیں رہتا جو صراحتاً قرآن کا معارضہ ہے تو ذہن میں اس تعارض کا حل نہیں آتا۔" حضرت نے وضو کرتے ہُوئے برجستہ فرمایا کہ آیت میں سعیِ ایمانی مُراد ہے جو آخرت میں غیر کے کار آمد نہیں ہوسکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی کو ہو جائے اور حدیث میں سعیِ عملی مُراد ہے جو ایک کی دوسرے کے کام آسکتی ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں" فرمایا کہ ایک دم میری آنکھ سی کھُل گئی جیسے کوئی پردہ آنکھ کے سامنے سے اُٹھ گیا ہو اور علم کا ایک عظیم دروازہ کھُل گیا۔"[1]

اللہ کی محبّت

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۶ ہجری) فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بازار گیا، راستہ میں ایک شخص ملا جسے جذام کی بیماری تھی، بدن میں زخم تھے اور وہ نابینا و اپاہج ہو چکا تھا۔ گلی کے بچّے اسے پتھّر مار رہے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خُون آلود ہو گیا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہے میں اس کے قریب گیا تاکہ بات سُن سکوں

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج: ۱، ص: ۳۶۔

کہ کیا کہہ رہا ہے میں نے سُنا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے۔

"یَا سَیِّدِیْ اِنَّکَ لَتَعْلَمُ اَنَّکَ لَوْ قَرَضْتَ لَحْمِیْ بِالْمَقَارِیْضِ وَنَشَرْتَ عِظَامِیْ بِالْمَنَاشِیْرِ مَا ازْدَدْتُّ لَکَ اِلَّا حُبًّا، فَاصْنَعْ بِیْ مَا شِئْتَ۔"[1]

میرے مولیٰ تو خوب جانتا ہے کہ اگر تو قینچیوں سے میری ایک ایک بوٹی بھی کاٹ دے اور میری ہڈّیاں آروں سے چیر ڈالے تب بھی تیرے ساتھ میری محبّت ہی بڑھے گی، اَب تجھے اختیار ہے جو چاہے کر۔

بقیہ: استفتاء

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ بہت پکّے دیوبندی تھے اپنے اکابر کے مسلک سے سرِمو انحراف کرنا اُنھیں گوارہ نہ تھا۔ ان کی ساری زندگی اور ان کی کتابیں اس پر گواہ ہیں جو کوئی شخص ان کی طرف بدعت کے بارے میں ڈھیلا پن منسوب کرتا ہے وہ اپنی اس بات میں سچّا نہیں ہے۔ لفظ اہلِ سُنت والجماعت کا حضراتِ اشاعرہ اور ماتریدیہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ احمد رضا خان بریلوی اور اُن کی جماعت کا ان دونوں جماعتوں سے کوئی تعلّق نہیں۔

احمد رضا خان سے نسبت رکھنے والے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے علمِ غیب کلّی مانتے ہیں یا یُوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سارے اختیارات سُپرد کر دیے گئے تھے یا یہ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بشر نہیں تھے یہ باتیں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے یہاں کہیں بھی نہیں ہیں۔ نہ کُتب عقائد میں کسی نے نقل کی ہیں نہ اُن کی کتابوں میں اُن کا کوئی ذکر ہے اور یہ باتیں قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں یہ سب بریلویوں کی اپنی ایجاد ہیں۔ اگر کوئی شخص بریلوی فرقہ کو اہلِ سُنت والجماعت میں شمار کرتا ہے تو یہ اس کی صریح گمراہی ہے۔

وباللہ التوفیق وبیدہٖ ازمۃ التحقیق

وانا العبد الفقیر

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ
مدینہ منوّرہ

محمد ... مکی ... عفا اللہ

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۴، ص: ۱۱۔

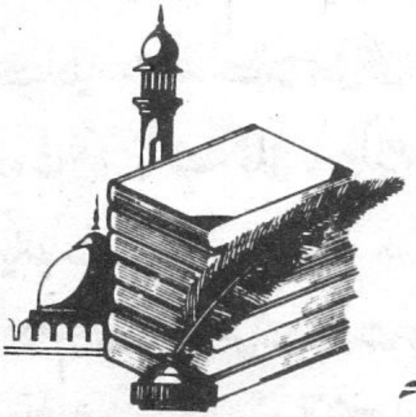

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : مجالس حکیم الاسلام

افادات : حضرت مولانا قاری محمدؒ طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب : مولانا حبیب اللہ صاحب ناظم ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند

صفحات : ۳۶۸

ناشر : مکتبہ اصلاح وتبلیغ مارکیٹ ٹاور حیدرآباد

قیمت : -/۹۰ روپے

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمدؒ طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۳/۱۹۸۳ء) کی شخصیّت محتاجِ تعارف نہیں آپ تقریباً پچاس برس دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام پر فائز رہے، اس دور میں دارالعلوم نے جو ترقیاں کیں وہ کسی سے مخفی نہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ بلند پایہ عالم دین، اسلامی اسرارورموز کے شارح، اکابر کے علوم کے وارث اور حکمتِ قاسمیہ کے ترجمان تھے۔

دیوبند کے محلہ دیوان میں آپ کا گھر علماء و فضلاء کا مرجع تھا، روزانہ بعد نماز عصر ایک عمومی مجلس قائم ہوتی تھی جس میں حضرت قاری صاحب مرحوم حکمت و معرفت کے موتی بکھیرتے تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ ان تمام موتیوں کو اکٹھا کرلیا جاتا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ صرف ۲۳ مجالس کے ارشادات و فرمودات بذریعہ ٹیپ ریکارڈر محفوظ کیے گئے۔ زیرِ نظر کتاب "مجالس حکیم الاسلام" انہی ۲۳ مجالس میں بیان کیے گئے ارشادات و فرمودات کا حسین گلدستہ ہے جو رنگا رنگ پھولوں سے مزیّن ہے شروع میں حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین

صاحب مفتاحی کے قلم سے حضرت قاری صاحبؒ کی سوانح حیات بھی درج کردی گئی ہے۔ پہلے یہ کتاب ادارہ تالیفاتِ اولیاء دیوبند سے طبع ہوئی تھی اسی کا عکس لے کر مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدرآباد کی طرف سے دوبارہ شائع کی گئی ہے، ڈائی دار جلد عمدہ کتابت وطباعت اور مناسب نرخ پر یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

نام کتاب : مجالس مسیح الامت (دو جلد)

افادات : حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر : مکتبہ اصلاح و تبلیغ مارکیٹ ٹاور حیدرآباد

قیمت : -/۱۳۰

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۳/۱۹۹۳) حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ راقم الحروف جب ۸۵ء میں دیوبند گیا تو جلال آباد حضرت کے درِ دولت پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی حضرت انتہائی شفقت و مہربانی سے ملے، آپ کی ذات با برکات اس دور میں بسا غنیمت تھی، آپ کی محفل و مجلس میں جو شریک ہوتا وہ متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا آپ کے وجود مسعود سے بڑے فیوض پھیلے، صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی آپ کے متوسلین و مجازین کی کثیر تعداد موجود ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب "مجالس مسیح الامت" آپ کے حکمت و معرفت سے پُر نہایت قیمتی ارشادات و فرمودات کا مجموعہ ہے، پہلے یہ مجالس ہندوستان میں قسط وار چھپتی رہیں تقریباً چھ قسطیں طبع ہوئیں بعد میں ان اقساط کو دو جلدوں میں اکٹھا کر دیا گیا، پہلی جلد میں دو قسطیں اور دوسری جلد میں چار قسطیں طبع ہوئیں، اللہ بھلا کرے محترم حافظ عبدالقدیر صاحب کا کہ انھوں نے پاکستان میں انھیں چھاپ کر حضرت کے علوم سے استفادہ کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ اب یہ مجالس دو جلدوں میں عمدہ کتابت وطباعت اور ڈسٹ کور جلد کے ساتھ مزیّن مارکیٹ میں مناسب قیمت پر دستیاب ہے۔

نام کتاب : حقوق الوالدین

تصنیف : حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدنی دامت برکاتہم

صفحات : ۱۲۸

ناشر : مکتبہ اصلاح و تبلیغ مارکیٹ ٹاور حیدرآباد۔

قیمت : -/۲۴ روپے

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ جس قدر اہم ہے۔ المیہ ہے کہ اسی قدر اس سے لاپرواہی اور بے اعتنائی برتی جا رہی ہے جس کی سزا آخرت میں تو جو ہو گی سو ہو گی دُنیا میں بھی اس کی نحوست ظاہر ہو رہی ہے، بہت کم لوگ ہیں جو والدین کے حقوق سے باخبر اور اُن کی نافرمانی کی سزا سے واقف ہیں۔ زیرِ نظر رسالہ "حقوق الوالدین" میں حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنی دامت برکاتہم نے قرآن و حدیث میں حقوقِ والدین کی جو اہمیت آئی ہے اُسے خوب صُورتی کے ساتھ واضح فرمایا ہے یہ رسالہ اس قابل ہے کہ جس قدر ہو سکے اُسے عام کیا جائے تاکہ لوگ والدین کے حقوق سے باخبر ہو کر اُنکی ادائیگی کی فکر کریں اور اپنی عاقبت کو سنواریں۔

ن ۔ ا

بہترین قابل مطالعہ اسلامی کتابیں

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کی تصانیف

آپ کے مسائل اور انکا حل
قسم اوّل -/۴۵۰
" دوم -/۳۳۰
گیارہ سال سے رُوزنامہ جنگ میں شائع ہونیوالے دلچسپ سوال وجواب کا مجموعہ

اختلاف اُمت اور صراطِ مستقیم
قسم اوّل -/۱۲۰
" دوم -/۹۰
ایک بہت سنجیدہ اور ٹھوس علمی کتاب جس کے مطالعہ سے ذہن کی بہت سی گرہیں کھل جاتی ہیں۔

عہدِ نبوت کے ماہ وسال
قیمت -/۷۵
سیرت طیبہ پر ایک اچھوتی کتاب جس سے معلوم ہوگا کہ کون سا واقعہ کس ماہ اور کس تاریخ کو پیش آیا۔ ایک بہترین کتاب

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ
قیمت -/۳۰
خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز رح کی قابل تقلید سوانح حیات پر تسنیم وکوثر سے دُھلی زبان پر مشتمل سیرت ساز کتاب

شیعہ سُنی اختلاف
قیمت قسم اوّل -/۱۲۰
" دوم -/۹۰
حضرت علیؓ کا فرمان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت میں سب سے افضل ابوبکرؓ پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ ہیں۔

اسوۂ رسول اکرمؐ
ڈاکٹر عبد الحی صاحب
قیمت -/۱۳۵ روپے
سیرت طیبہ پر لازوال کتاب

داستان از بلا
قیمت -/۳۰ روپے
اسپین کے لاٹ پادری کی لڑکی کے قبول اسلام کی لازوال داستان

الکامل فی احقاق حق و ابطال باطل
(اُردو) -/۲۰۰
اُمت مسلمہ کے خلاف اپنوں کی حماقتوں اور غیروں کی سازشوں سے بے نقاب کرنے والی کتاب۔

بدعت کی حقیقت اور اسکے احکام
قیمت -/۵۵ روپے
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی بدعت کے موضوع پر جامع کتاب۔

تازیانہ شیطان
مجلد -/۴۰
کارڈ کور -/۲۵
شیطان کی مکمل سرگزشت اور اس کی مکاریوں کا جال نیز اس کے مکر و فریب سے بچنے کے طریقے۔

آداب معاشرت
قیمت -/۳۵ روپے
روزمرہ زندگی کے آداب سکھانے والی بہترین کتاب۔

فاتحہ کا طریقہ
قیمت -/۵ روپے
سوال وجواب کے طرز پر فاتحہ کے طریقے اور دیگر مسائل پر دلچسپ تحریر

مسنون دُعائیں
-/۴ روپے
ہر وقت اور ہر موقع کی بہترین دعاؤں کا مجموعہ

نوٹ: ان کتابوں کے علاوہ ہر قسم کی دینی کتابیں، عربی اُردو فارسی زبانوں میں رعایتی نرخوں پر دستیاب ہیں؛

کتب خانہ احیائے سُنّت، دارالکتابت پہلی منزل A / 20
سائرہ مینشن ایم اے جناح روڈ بالمقابل ریڈیو پاکستان کراچی
فون: 7729249
پوسٹ کوڈ نمبر 74200

محمدؐ عابد
متعلم جامعہ مدنیہ

اخبار الجامعۃ

○

ماہ ذی قعد میں جامعہ سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم، رُکن مجلس شوریٰ، مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ اور قاری عبد الحئی صاحب مدرس شعبہ تحفیظ القرآن حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب تشریف لے گئے۔

○

۴ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ ۴ مئی ۱۹۹۵ء بروز جمعرات جامعہ کی مسجد میں اصلاحی تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔

○

۸ ذی الحجہ سے جامعہ کے شعبۂ کتب میں عید الاضحیٰ کی تعطیلات شروع ہوئیں جو ۲۲ ذی الحجہ بروز پیر تک جاری رہیں اور ۲۳ ذی الحجہ سے دوبارہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

○

۹ ذی الحجہ سے جامعہ کے شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں تعطیلات شروع ہوئیں جو ۱۷ ذی الحجہ بروز بدھ تک جاری رہیں اور ۱۸ ذی الحجہ سے دوبارہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

○

۱۴ ذی الحجہ کو مولانا سیّد محمود میاں صاحب، حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ کاکاخیل کے بڑے صاحبزادے مولانا سیّد عبد الرؤفؒ صاحب کاکاخیل کی وفات پر تعزیت کے لیے سخاکوٹ تشریف لے گئے اور ۱۹ ذی الحجہ کو واپس تشریف لائے۔

"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"
قرشی
جامِ شیریں
" خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے
تیار۔ پانی میں فوراً حل ہوجاتا ہے اور
طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔
اور ہاں ... اس میں عرقِ صندل بھی
شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک
پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ
کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو
بے حد پسند ہے! "
شربت
جامِ شیریں
100 فیصد خالِص 100 فیصد تسکین

MPL